ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کے آباء و اَجداد اور مختصر سوانح

(مولانا عبدالحق ظفر چشتی)

نابغۂ عصر، مفسر قرآن ڈاکٹر محمد طاہرالقادری بانیِ مرکزی ادارہ منہاج القرآن راوی ہیں کہ ''ایک روز میں اپنے سات سالہ بیٹے حسن محی الدین سے مصروفِ گفتگو تھا اور موضوعِ بحث آپس میں تقابل تھا۔ مجھے اپنی شکست کا قدم قدم احساس ہوا کہ حسن اپنے نام کے اعتبار سے حسن ہی ٹھہرا۔ صغر سنی کی وجہ سے اُس کا دامن عصیاں آلود نہ تھا اور وہ مکلّف فرائضِ منصبی بھی نہ تھا کہ جواب دہی کے جانکاہ مراحل سے گزرنے کا خوف ہو۔ جب کہ اِدھر یہ خوف اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود تھا۔ اس کے چہرے کی معصومیت اس کے پاکیزہ دل کی غماز تھی۔ وہ محبت و اُلفت اور نفرتوں کے جذبوں میں تصنع، بناوٹ یا سود و زیاں کی آلائشوں سے پاک تھا جبکہ اس طرف معاملہ یکسر مختلف تھا۔ مجھے اُس کی عظمت پر رشک اور اسے میری شکست پر حیرت ہو رہی تھی۔ یہ حیرت اُس کی اس وقت اور بھی بڑھنے لگی جب میں نے اس سے کہا کہ بچے! تیری عظمتیں مسلّم لیکن ایک اعتبار سے تم مجھ سے عظمت میں کبھی بازی نہ لے جا سکو گے۔ تیری سر توڑ کوششیں بھی اس حدِ عظمت کو چھو نہ سکیں گی۔ میرا سر فخر سے تن گیا۔ اُس نے مجسمۂ حیرت بن کر تفصیل چاہی تو میں نے کہا کہ میں تم سے اس اعتبار سے عظیم تر ہوں کہ میرے باپ جیسا تمہارا باپ کبھی نہیں ہوسکتا، کبھی نہیں! میرے باپ کی زندگی کا ہر شعبہ قابلِ رشک اور قابلِ تقلید تھا۔ ان کی سیرت، ان کی صورت، اِن کے علم، ان کے تقویٰ اور ان کی فطانت و فقاہت کے تقابل کی مسند کے برابر تیرے باپ کی مسند کبھی نہیں بچھائی جاسکتی اور اُن تقدس مآب رفعتوں، بلندیوں اور عظمتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جو اُنہیں حاصل تھیں۔''

خطۂ پاکستان میں ضلع جھنگ کئی اعتبار سے معروف ہے۔ دنیائے عشق و محبت کے ایک شہنشاہ سلطان باہو رحمہ اللہ کا تذکرہ کئے بغیر ضلع جھنگ کے ذکر کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ھُو ھُو کی مست کر دینے والی آوازیں کس کے مشامِ جان کو معطر نہیں کرتیں۔ دو نام اور بھی اُفقِ عالم پر اُبھرے۔ ''سوہنی'' اور ''مہینوال''۔ دریائے چناب کی لہروں کے زیر و بم میں آج بھی ان کے ''کچے گھڑے'' کی داستان قلب و ذہن پر دستک دیتی ہے۔ سرزمین جھنگ کے باسی غیور، بہادر اور صاحب ایمان لوگ ہیں۔ چار دانگِ عالم سے ''حق باہو''، ''سچ باہو'' کے دلنواز نعروں کی گونج میں آنے والوں کے لئے فرض راہ بن جاتے ہیں۔ اس علاقے کی مٹی کے ایک ایک ذرہ سے محبت مصطفیٰ ﷺ کی بو باس پائی جاتی ہے۔

تحصیل جھنگ میں چنیوٹ روڈ پر تیرہ چودہ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ''کھیوہ'' کے نام سے معروف ہے۔ کبھی اس گاؤں اور اس کے قرب و جوار کی زرعی زمین پر ایک خاندان آباد تھا جو سیال فیملی کے ایک خاندان ''ماہنی سیال'' سے تعلق رکھتا تھا۔ اور پوری اسٹیٹ کا مالک تھا۔ اس خاندان کی زندگی کو تاریخ جہاں سے ایک نیا رُخ دیتی ہے اس موڑ پر تین بھائیوں کے نام ملتے ہیں جن میں سے دو طبعاً درویش تھے اور ایک روایتی زمیندار۔

اس زمانے میں سرحدی علاقوں کے لوگ اکثر اس طرف رُخ کرتے اور لوٹ مار کر کے جو کچھ ان کے ہاتھ آتا چھین کر بھاگ جاتے۔ ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کا بازار اکثر گرم رہتا۔ خاندانی جھگڑوں کی وباء بھی ان دنوں کچھ کم نہ تھی۔ ایک بھائی ان تمام حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے اور نہ صرف اپنی اسٹیٹ کی حفاظت کرتے بلکہ سرحدی قبائل کے حملوں کا بھی منہ توڑ جواب دیتے۔ اور خاندانی جھگڑوں کو بھی بزور بازو نبٹانے کی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے۔ دوسرے دو بھائی جو فطرتاً اَمن پسند تھے، بھائی چارے اور اُخوت و محبت کے داعی تھے۔ اور طبعاً درویش بھی وہ ان حالات سے اکثر کبیدہ خاطر رہتے۔ ان میں ایک جمعہ خاں صاحب اس زرعی زمین کے شر و فساد کے ماحول سے

منہ موڑ کر صوبہ سرحد کی طرف ڈیرہ اسماعیل خاں کی طرف ہجرت کر گئے، جبکہ دوسرے بھائی احمد یار رحمہ اللہ جھنگ مگھیانہ میں آ کر آباد ہو گئے۔ یہی جھنگ آج کل جھنگ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ دونوں بھائی خاندانی وراثت سے ہر چیز چھوڑ کر اپنے تیسرے بھائی کے سپرد کر کے نقل مکانی کر گئے۔ ڈیرہ اسماعیل خاں میں جا کر آباد ہونے والے جمعہ خاں صاحب اور ان کی اولاد کے مراسم کچھ عرصہ ان کے ساتھ رہے بالآخر مسافت بعیدہ نے ایسی دُوریاں ڈال دیں کہ اب ان میں سے کوئی کسی کو پہچانتا بھی نہیں۔

حضرت میاں احمد یار خاں رحمہ اللہ

جھنگ شہر میں آ کر آباد ہونے والے حضرت میاں احمد یار رحمہ اللہ ترکِ وطن، ترکِ مال، ترکِ املاک اور ترکِ دنیا کر کے ایک اللہ سے لَو لگانے کے لئے گوشہ نشین ہو گئے ،لیکن اس گوشہ نشینی میں بھی عزت نفس کی دولت کی حفاظت کے لئے وہ راہ اختیار کی جو ہمیشہ اللہ والوں کی شان رہی۔ خاندانی وراثت اور جائیداد کو ترک کرنے کا مقصد رہبانیت نہ تھا ورنہ جنگلوں کا رُخ کرتے۔ یہ تو محبت دنیا سے ناطہ توڑ کر صرف اور صرف ایک ذات سے لَو لگانے کی دھن تھی جس نے کائناتِ مال و زر کو پاؤں سے ٹھوکر مارنے پر آمادہ کر دیا تھا۔ جھنگ شہر میں اپنی اور اپنے بچوں کے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے محنت و مزدوری کی راہ اختیار کی۔ دن بھر محنت و مزدوری سے جو کچھ میسر آتا اس سے دال روٹی چل جاتی۔

حضرت میاں بہاء الدین رحمہ اللہ

حضرت میاں احمد یار صاحبؒ کے ہاں ایک بہت ہی خوبصورت بچہ پیدا ہوا۔ اس نومولود مسعود کا نام بہاؤالدین رکھا گیا ،جو بعد میں میاں بہاء الدین کے نام سے معروف ہوئے۔ صحت مند، توانا، دراز قامت اور جسیم و لحیم نوجوان میاں بہاء الدین میراثِ اسلاف یعنی زہد و ورع، عبادت و ریاضت، سوز و گداز اور فقر و درویشی کے صحیح

وارث ثابت ہوئے۔اور گزر اوقات کے لئے اپنے والد بزرگوار کی راہ یعنی نانِ جویں کے حصول کے لئے محنت و مزدوری کی راہ اختیار کی۔

حضرت میاں بہاء الدین رحمہ اللہ کے ایک ہم عصر بزرگ حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ تھے۔اسم بامسمّٰی یعنی اپنے نام کی طرح صالح سیرت و کردار کے مالک تھے۔ ۱۱۰ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ ایک مسجد میں امامت فرماتے تھے۔اور مسجد کی خدمت میں شب و روز صرف کر دیتے۔ مسجد میں جھاڑو دینا اُن کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے گھر کی صفائی قلب و ذہن کی صفائی کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ان کے تقویٰ و پرہیز گاری کا زمانہ معترف ہے۔ حتیٰ کہ محبوب ربّ کائنات ﷺ کی زیارت کی سعادت جاگتے میں حاصل کی۔ ’’ولی را ولی می شناسد‘‘۔ یہی حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ راوی ہیں کہ حضرت میاں بہاء الدین رحمہ اللہ بڑے ولی کامل تھے۔ ولایت کے مرتبے پر فائز ہونے والے ظاہری زیب و زینت کو کب خاطر میں لاتے ہیں، اس لئے انتہائی سادہ طبیعت کے مالک تھے۔

دیکھ کر جبہ و دستارِ شیخ تیرا پیوندِ قبا یاد آیا

آپ سیف اللسان تھے۔ جو منہ سے کہہ دیتے وہی ہو جاتا تھا اس لئے آپ کی محفل میں بیٹھنے والے لوگ بہت محتاط رہتے تھے۔

قیامِ پاکستان کی بشارت

حضرت میاں صالح محمد رحمہ اللہ ہی اس بات کے راوی ہیں کہ میری عمر پندرہ بیس سال کی ہوگی اور حضرت میاں بہاء الدین رحمہ اللہ اُس وقت پچاس ساٹھ سال کے پیٹے میں ہوں گے۔ قیامِ پاکستان سے چالیس پچاس سال پہلے اُن کی محفل میں بیٹھے تھے کہ زمین پر لکیریں کھینچنے لگے۔ اور ان لکیروں کی روشنی میں فرمانے لگے کہ ہندوستان تقسیم ہو جائے گا۔ ہندو اُدھر چلے جائیں گے اور فلاں فلاں علاقے کے لوگ اِدھر آ جائیں گے۔

بڑا قتلِ عام ہوگا۔ اور ایک نیا ملک معرضِ وجود میں آئے گا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا تو یاد آیا کہ وہ کیا کہتے تھے اور کیا دیکھتے تھے۔ فرماتے ہیں بڑے صاحبِ کشف تھے اور کئی باتیں بالکل سادگی میں کہہ جاتے۔ جب پوری ہو جاتیں تو احساس ہوتا کہ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے یہ بات کتنی صاف صاف بتا دی تھی۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے حضرت صالح محمد صاحب رحمہ اللہ کی زیارت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اکثر ان کی محفل میں بیٹھا کرتا تھا۔ محلے کی مسجد میں دو چار اور بزرگ بھی تھے اور وہ سب اللہ والے تھے۔ ان میں سے کوئی حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ سرکار گولڑہ شریف کے مرید تھے اور کوئی حضرت نور محمد قادری رحمہ اللہ کے مرید تھے جو حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمہ اللہ کی اولاد میں سے تھے۔ مجھے ان کی محفل میں بیٹھنا بہت مرغوب تھا۔ میں اکثر نمازِ عصر سے مغرب تک ان کے پاس بیٹھا رہتا۔ اور مغرب کی نماز کے بعد اوّابین کے نوافل پڑھ کر گھر واپس لوٹتا۔ ان کے پاس بیٹھ کر ان کے ذاتی تجربات، مکاشفات و مشاہدات اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی محافل کے تذکرے سنتا۔ جن جن بزرگوں سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں ان کے حالات و واقعات سننے کے لئے بے چین رہتا۔ ان کے فیوضات و برکات سے متعلق سوالات کرتا۔ ان کے زمانہ کے فقراء کے احوال و مشاغل سے متعلق معلومات حاصل کرتا۔ یہی جلوس فی المسجد ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھنا اور صلحاء کی خدمت میں گزرا ہوا وقت آج بھی میرے لئے مشعل راہ ہے۔ میں جو کچھ بھی ہوں وہ سب انہی بزرگوں کی دعاؤں کا صلہ ہے۔

حضرت میاں بہاء الدینؒ کے تین صاحبزادے تھے۔ میاں اللہ بخشؒ، میاں خدا بخشؒ اور میاں پیر بخشؒ۔ میاں پیر بخش کے بیٹے محمد رمضان کی اولاد میں محمد اسلم، حکیم محمد حسین اور محمد یوسف شامل ہیں۔ حضرت میاں بہاء الدینؒ کے صاحبزادگان ہیں۔ میاں اللہ بخشؒ اور میاں خدا بخشؒ کا قدرے تفصیلی ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت میاں اللہ بخش رحمہ اللہ

حضرت میاں اللہ بخش رحمہ اللہ نے ساری زندگی تجرد میں گزار دی اور پوری زندگی ''جو دم غافل سو دم کافر'' کا ہی غلبہ رہا۔ اولیاء و صلحاء کے مزارات و مقابر پر چلہ کشی کی اور طویل ریاضتوں اور مشقتوں پر مبنی زندگی گزار کر حیاتِ مستعار کو ایک نیا روپ بخشا۔ اوائل عمری میں تو پہلوانی بھی کرتے رہے۔ جھنگ میں اس دور میں ان کے پلے کا شاید ہی کوئی پہلوان ہوگا۔ لیکن جسمانی ریاضتوں کا رُخ جب روحانی ریاضتوں کی طرف مڑا تو بھی کوئی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکا۔ حضرت خواجہ خواجگان پیر طریقت پیر عبدالغفور رحمہ اللہ کے دست اقدس پر بیعت کی۔ روحانی تربیت کے لئے ہاتھ اس ہاتھ میں دیا جو سلوک کی راہ کے دھنی ،اور بڑے صاحب کشف و کرامات تھے۔ انہی کی صحبت میں زندگی کا بیشتر حصہ گزار دیا۔ مڈ (شریف) انہی کی عظمتوں کی بناء پر شرافت کا لبادہ اُوڑھ کر مڈ شریف بنا۔

حضرت پیر عبدالغفور رحمہ اللہ خلیفہ مجاز پیر پٹھان رحمہ اللہ

حضرت پیر عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ حضرت خواجہ خواجگان پیر سلیمان تونسوی رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے تھے۔ حضرت پیر عبدالغفور رحمہ اللہ کی عظمت کردار کے اظہار کے لئے ایک واقعہ کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ایک بار آپ اپنے آستانہ سے چند روز کے لئے باہر تشریف لے گئے، اور پندرہ بیس روز تک وہیں قیام رہا۔ ان کی عدم موجودگی میں ان کا ایک مرید ذکر وفکر کی دنیا بسائے بیٹھا رہا۔ اور اپنے پیر کامل کے فراق کی گھڑیاں بڑی ہی بے چینی اور بے قراری سے شمار کرتا رہا۔ اس کے جذبۂ محبت میں اتنی تڑپ تھی کہ جس جگہ پیر صاحب محرابِ مسجد میں نماز پڑھاتے تھے وہیں اللہ اللہ کرتا رہا۔ جب پیر صاحب کی آمد کی خبر اس کے کان پڑی تو وہ شوقِ ملاقات میں وہیں سے اُچھلا۔ اس کا اُچھلنا تھا کہ خدا کی شان دیوار و محرابِ مسجد اس کے اور اس کے پیر کامل کے درمیان حائل نہ رہ سکی ۔ دیوار پھٹ گئی اور مرید سیدھا پیر کامل کے گھوڑے کے نعل کو بوسہ

دینے لگا۔ وارفتگی کا یہ عالم واقعتہً دیدنی تھا۔

مشہور ہے کہ حضرت پیر عبدالغفور رحمہ اللہ کے صاحبزادے پیر عبدالرزاق صاحب بھی للّٰہیت میں اتنے گم ہو چکے تھے کہ دنیا اور دنیوی کثافتوں کا ان کے ظاہر تک پر کوئی اثر نہ تھا۔ بعد از وصال تین روز تک آپ کو دفن نہ کیا جا سکا۔ لیکن تین دن گزر جانے کے باوجود نہ تو آپ کا رنگ و رُوپ بدلا اور نہ کوئی تغیر رونما ہوا۔ روح جسم عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس کے باوجود جسم تروتازہ رہا۔ تین دن تک پژمردگی کے اثرات شاید اس لئے مرتب نہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں فنا ہونے والے مردہ تو ہوتے ہی نہیں وہ تو صرف ایک آن کے لئے قانونِ ازلی کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتُ کی تعمیل میں اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ یا وہ اَلدُّنیَا سِجْنُ الْمُؤمِنُ کے مطابق قید خانے سے آزاد ہو کر اپنے گھر جنت الفردوس میں پہنچ جاتے ہیں اور جنت میں مردنی یا پژمردگی کہاں؟

حضرت میاں اللہ بخش ...... راہِ صدق و صفا

حضرت میاں اللہ بخش رحمہ اللہ نے راہِ سلوک میں مزید گہرائی و گیرائی کے حصول کے لئے مختلف اولیاء کبار کے مزاراتِ عالیہ پر بھی چلہ کشی کی۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری رحمہ اللہ، حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمہ اللہ کے مزارات پر طویل ریاضتیں اور چلے کئے۔ حتیٰ کہ ہندوستان میں ’’یوگ‘‘ کے نامور ماہر جوگیوں کی معیت میں پہاڑوں اور جنگلوں کے اندر روحانی ریاضتیں اور مجاہدے بھی کئے۔ اور پوری زندگی پیلے رنگ کا لباس پہنا۔ غرض ان کی پوری زندگی جنگلوں، صحراؤں، پہاڑوں اور خانقاہوں پر گزری۔

توکل علی اللہ کا ایمان افروز واقعہ

آپ کی اوائل عمری کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت داتا علی ہجویری رحمہ اللہ کے آستانہ پاک پر چلہ کش تھے۔ جب چالیسویں رات آئی تو حضرت داتا

گنج بخش رحمہ اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت داتا صاحب نے گنج بخشی فرماتے ہوئے میاں صاحب کو ایک شیشی عطا فرمائی اور فرمایا: اللہ بخش! یہ شیشی گنج دنیا سے بھرپور ہے۔ اسے محفوظ کرلو دنیا میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔ اس پر آپ رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ دولتِ دنیا چھوڑ کر تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ کے درِ دولت سے تو فقر و استغناء کی دولت کا تمنائی ہوں۔ شفقت فرماتے ہوئے وہ عطا کر دیجئے۔

حضرت میاں اللہ بخش رحمہ اللہ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ پیر عبدالغفور رحمہ اللہ کے وصال کے بعد بیعتِ ثانی کے لئے حضرت موسیٰ پاک شہید رحمہ اللہ کی اولاد میں سے ایک بزرگ حضرت سید مخدوم صدر الدین گیلانی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے بیعت کی۔ یہ بیعت سلسلۂ قادریہ میں تھی۔ اس کے علاوہ فیوض و برکاتِ قادریہ میں حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ کے فیضان کا حصہ بھی شامل ہے۔

عالم برزخ میں مقاماتِ علیا

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت میاں اللہ بخش رحمہ اللہ کی دوبار خواب میں زیارت کی ہے۔ ایک دفعہ اس طرح کہ خواب میں حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ کے مزار پُرانوار پر حاضر ہوں۔ مزار مبارک کھلتا ہے اور مخلوق منتظر ہے کہ حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ دیدار کرایا چاہتے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد مزار شریف سے حضرت میاں اللہ بخش تشریف لے آتے ہیں۔ دوسری بار جو زیارت کا اعزاز حاصل ہوا تو وہ اس طرح کہ ایک کھلا میدان ہے۔ کسی نے بتایا کہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ایک بہت بڑا خیمہ ایستادہ ہے جس میں حضرت بابا صاحب رحمہ اللہ حب تشریف فرما ہیں۔ لوگوں کو آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار ہے۔ لیکن خیمہ سے جب حضرت بابا صاحب رحمہ اللہ باہر تشریف لاتے ہیں تو شکل ہو بہو میاں اللہ بخش رحمہ اللہ کی ہے، جس سے اشارہ اس اَمر کی طرف تھا کہ زہد و استغناء میں ان برگزیدہ نفوس کی متابعت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ان کے حلقے میں شامل کر لیا ہے۔ نیز

ان دونوں بزرگوں سے خاص روحانی نسبت اور ان سے فیضیاب ہونے کا اشارہ بھی ملتا ہے۔

حضرت میاں خدا بخش رحمہ اللہ

حضرت میاں خدا بخش رحمہ اللہ کو خدائے بزرگ و برتر نے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی عطا فرمائی۔ ان کے سب سے بڑے بیٹے حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ہیں جو فرید روزگار اور یگانۂ روزگار ثابت ہوئے۔ حضرت میاں خدا بخش رحمہ اللہ کی اولاد کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ فرید الدین ۲۔ محمد فرید

۳۔ مہر غلام محمد ۴۔ محمد صدیق

۵۔ محمد اسماعیل ۶۔ جنداں بی بی

محمد فرید اور محمد صدیق نوجوانی کی عمر ہی میں داعی اَجل کو لبیک کہہ گئے تھے۔ محترم محمد اسماعیل صاحب بھی وفات پا چکے ہیں۔ حضرت فرید ملت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے تین صاحبزادے ہیں:

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۲۔ محمد جاوید

۳۔ محمد طارق

ان میں سے محمد جاوید صاحب وصالِ الٰہی کا مرتبہ پا چکے ہیں۔ محمد طارق صاحب اس وقت منگلا ڈیم میں انجینئر کی حیثیت سے تعینات ہیں۔ اور حضرت شیخ الاسلام کی ذات محتاج تعارف نہیں۔

www.MinhajBooks.com

مہر غلام محمد بحیثیت تحصیلدار ڈسکہ میں دل کا دورہ پڑنے سے واصل بحق ہوئے۔ ان کی اولاد میں صبغت اللہ قادری، شفقت اللہ قادری، قدرت اللہ قادری، عظمت اللہ قادری اور چار بیٹیاں شامل ہیں۔ سب سے بڑی صاحبزادی حضرت شیخ الاسلام کی اہلیہ محترمہ ہیں۔

خدائے بزرگ و برتر کے لطف و کرم سے اس خاندان میں صاحبانِ صدق وصفا پیدا ہوتے رہے۔ جن کے تذکرے ہمیں مل سکے ہیں۔ ان میں سے کوئی پشت ایسی نہیں جس میں اس کی ذات سے لَو لگانے والا کوئی نہ کوئی مردِ حق موجود نہ ہو۔ حضرت میاں خدا بخش رحمہ اللہ کی اولاد میں سے اللہ رب العزت نے اس منصبِ عظیمہ کے لئے ان کے بڑے بیٹے حضرت ڈاکٹر محمد فرید الدین قادری رحمہ اللہ کا انتخاب کیا۔

فریدِ ملت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ۱۹۱۸ء میں جھنگ میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ ہائی سکول جھنگ میں ابتدائی تعلیم مڈل تک حاصل کی ۔اور ہر کلاس میں امتیازی حیثیت سے پاس ہوئے۔ حضرت مولانا غلام فرید رحمہ اللہ جو بذاتِ خود درسِ نظامی کے فاضل اساتذہ میں تھے، سے تعلیم حاصل کی ۔اور درس نظامی کی ابتدائی کتب صرف، نحو اور منطق کا درس لیا۔ آپ بچپن ہی سے بڑے ذہین فطین اور طباع تھے۔ متحدہ ہندوستان میں ہندو سکھ اور مسلمان سب ایک ہی سکول میں پڑھتے تھے۔ اور اکثر مقابلہ رکھتا تھا۔ ان تعلیمی مقابلوں میں ڈاکٹر صاحب ہمیشہ ہر جماعت میں اوّل پوزیشن حاصل کرتے رہے اور ہمیشہ وظیفہ حاصل کیا لیکن چونکہ والد صاحب تعلیمی مذاق نہیں رکھتے تھے انہیں سکول سے اُٹھوا لیا۔

سلف صالحین کے حالات کے مطالعہ سے یہ پہلو عیاں ہوتا ہے کہ اُن میں سے اکثر حضرات لڑکپن ہی سے تلاشِ حق میں سرگرداں رہے۔ تجسس و طلبِ محبوب میں جہانِ

خلوت میں گھنٹوں بیٹھے رہتے یا پھر نشاناتِ قدرت کے حسن و جمال میں گم رہتے۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین القادری رحمہ اللہ بھی اسی طرح بچپن میں گھر سے نکل جاتے اور تین چار میل کے فاصلے پر دریائے چناب کے کنارے گھنٹوں مصروفِ اوراد و وظائف رہتے۔ پانی کی لہروں کی جولانی میں طالب صادق نے نہ جانے کیا پایا۔ کشتیوں کی آمد و رفت بذاتِ خود ''صاحبانِ اولی الالباب'' میں شمولیت کا اعزاز بھی ہے۔

حضرت ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمہ اللہ کی ایک بزرگ عزیزہ محترمہ بخت بھری صاحبہ راوی ہیں کہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نو، دس سال کی عمر ہی میں دریا کے کنارے چلے جایا کرتے۔ اور وہاں بیٹھ کر سورۂ مزمل کا وظیفہ فرمایا کرتے اور کہا کرتے کہ میں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ ایک اور شہادت بھی قابل قدر ہے۔ محترم ڈاکٹر احسان قریشی صابری ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ سیالکوٹ جو حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے قریبی دوستوں میں سے تھے، اپنے ایک تفصیلی خط جو انہوں نے ''الاعتصام'' میں اٹھائے گئے اعتراضات کے جواب میں لکھا۔ اپنی چشم دید گواہی کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کے عنوان سے تحریر فرمایا۔

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات

''حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کو ایک ایسا عمل یاد تھا جس سے ان کو حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہو جاتی تھی اور اُن سے گفتگو بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز مَیں اور فرید صاحب جھنگ کے نواح میں دریائے چناب کے کنارے پھر رہے تھے۔ دفعتاً بولے حضرت خضرؑ دریا سے نکل کر آنے والے ہیں۔ ان سے مَیں نے صرف تین منٹ ملاقات کرنی ہے تم دور چلے جاؤ۔ دس پندرہ منٹ بعد واپس آجانا۔ میں نے بہتیرے ہاتھ جوڑے، ترلے منت کی، پاؤں بھی پڑا کہ مجھے زیارت کروا دو، مگر فرید صاحب نہ مانے۔ فرمانے لگے کہ تم ان کی زیارت کے لئے فٹ نہیں ہو، unfit ہو۔ بہر صورت میں کھیتوں

کی جانب چل پڑا۔ میری رفتار آہستہ تھی۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک لکڑی کا قد آدم سے بھی دگنا تختہ کنارِ دریا پر لگا ہوا تھا۔ دریا سے ایک بزرگ صورت سفید نورانی داڑھی والے (حضرت خضر علیہ السلام) نکلے۔ سفید لباس پر پانی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ وہ چوبی تختے کی اوٹ میں حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ سے ملے۔ تین چار منٹ ملاقات رہی پھر واپس دریا میں چلے گئے، چوبی تختہ ہوا میں تحلیل ہوگیا۔ چوبی تختے دراصل دو تھے، ایک اُس طرف ایک ہماری جانب۔ مگر مجھے دوسو گز دور سے صرف ایک ہی نظر آرہا تھا جو پردہ کے لئے فوراً آ گیا تھا۔ یہ معجزہ تو حضرت خضر علیہ السلام کا تھا لیکن کرامت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی تھی۔ بہرصورت میں نے دور سے صرف ایک جھلک حضرت خضر علیہ السلام کی ضرور دیکھی جب وہ دریا سے نکلے تھے۔ حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ کے فیض سے یہ کرامت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو ملی کہ بیداری میں ہی دریائے چناب کے کنارے حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت کرلیا کرتے تھے۔'' (مراسلہ مرقومہ: ۲۷ اگست، ۱۹۸۹ء)

یہ دو شہادتیں ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ بچپن ہی سے جس لگن میں مصروف وہ دریائے چناب کے کنارے جا کر سورۂ مزمل شریف یا دیگر وظائف پڑھا کرتے تھے ان کا گوہر مقصود حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات تھی اور ان کے فیوض و برکات کی نعمت سے فیضیاب بھی ہو چکے تھے۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے والد ماجد حضرت میاں خدا بخش رحمہ اللہ سیدھے سادے لیکن نیک اور صالح شخص تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ بچہ کوئی ہنر سیکھ لے کم از کم نانِ جویں کی فکر سے آزاد ہو جائے۔ اس کے لئے انہوں نے جوراہ پسند کی وہ یہ کہ آٹھویں جماعت کی تکمیل سے پہلے ہی اسکول سے اُٹھا کر ایک حکیم صاحب کے پاس بٹھا دیا۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے حکیم صاحب کی محفل میں چند دنوں میں ہی محسوس کرلیا کہ ان کے پاس بیٹھنا وقت کا ضیاع ہے۔ دوسری طرف ''جوہر قابل'' کے

مربی اساتذہ کرام بھی سکول سے آ آ کر ان کے والد صاحب سے مسلسل رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے کہ بچے کو اسکول سے کیوں اُٹھوا لیا گیا ہے۔ جبکہ یہ بچہ اسکول میں انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کے مقابلے میں اپنی ذہانت، فطانت اور ذکاوت کی وجہ سے ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ اگر آپ اخراجاتِ مدرسہ و تعلیم برداشت نہیں کر پاتے تو ہم مسلمان اساتذہ اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ لیکن اساتذہ کرام کے وفود کے بار بار ملنے پر بھی آپ کے والد گرامی سلسلۂ تعلیم جاری رکھنے پر رضامند نہ ہوئے اور جب بچے کی صدائیں بھی ''صدا بصحرا'' ثابت ہوئیں تو بچے نے مامتا کی محبت کے دروازے پر دستک دی۔ ماں نے اس دستک کی دھڑکن سنی تو اپنی متاعِ خانہ طلائی و نقرئی زیورات بچے کی جھولی میں ڈال کر کہا بیٹے جاؤ! علم کے حصول کے لئے تمہیں جھنگ کی سرزمین کو چھوڑنا بھی پڑے تو دریغ نہ کرنا۔ یہ میری زندگی کا حقیر اثاثہ ہے۔ اگر تمہارے کسی کام آجائے تو زہے نصیب! مستقبل میں قادری نسبت سے جھولیاں بھرنے والے گھرانے نے سنتِ قادری ادا کی۔ محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، شہبازِ لامکانی، حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اور ان کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہؒ کی سنت کے حصولِ علم کے لئے بچہ گھر کی سکون پرور راحتوں کو قربان کرتا ہے اور ماں چالیس دینار زادِ راہ کر دیتی ہے۔ یہ سنت صدیوں بعد جھنگ کے ایک گھرانے میں ادا کی جا رہی تھی۔ حضرت مائی صاباں رحمہ اللّٰہا اپنے بیٹے فرید الدین کو اپنی دعاؤں کی رداء میں الوداع کہتی ہے۔

والدہ محترمہ حضرت مائی صاباں رحمہ اللّٰہا

حضرت مائی صاباں رحمہ اللّٰہا نے سنت قادری ادا کرتے ہوئے یہ انداز اختیار کیا، خدائے بزرگ و برتر نے انہیں اپنی رحمت سے ان کی خداشناسی، تقویٰ شعاری اور سنتِ صلحاءِ اُمت پر عمل کے اس انداز کو پسند فرما لیا اور انہیں زندگی دوام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اپنی دادی جان کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں کہ:

''دادی جان کا اسم گرامی تھا ''مائی صاباں' ایک دیہات ہے ٹوبہ کی طرف چک ۴۷۸ اس گاؤں کی رہنے والی تھیں۔ ہماری دادی جان بڑی صالحہ خاتون تھیں، بڑی درویش منش اور زاہدہ، عابدہ خاتون تھیں۔ مزاج کے اعتبار سے بڑی سادہ تھیں۔ ان کے انتقال کو کم و بیش ساٹھ برس ہو گئے ہیں۔ پچھلے دنوں میں جھنگ میں قبلہ والد صاحب کے مزار کی تعمیر نو کروا رہا تھا۔ مزار کے حجرے کے لئے جس پر گنبد بننا تھا۔ بنیادیں کھودی جا رہی تھیں، مستری مزدور لگے ہوئے تھے۔ والد صاحب قبلہ کی قبر کے بالکل متصل ہماری دادی جان کی قبر تھی۔ جب مزار کے حجرے کے لئے درمیان میں بنیادیں کھودی گئیں تو مزدوروں کے پھاوڑوں سے دادی جان کی قبر اندر سے کھل گئی، یعنی نیچے لحد سے کھل گئی۔ دادی جان کی قبر کی لحد کا کھلنا تھا کہ اندر سے خوشبو کا ایک جھونکا آیا جس نے پلک جھپکنے میں اِردگرد کی فضا کو معطر کر کے رکھ دیا۔ یہ واقعہ مجھے وہاں کام کرنے والے مزدوروں اور مستریوں نے بتایا۔ وہ سب حیران ہوئے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ انہیں قطعاً اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہ قبر کس کی ہے؟ انہوں نے نیچے جھک کر دیکھا تو قبر کے اندر دادی جان کا کفن بالکل محفوظ، سلامت حالت میں تھا۔ تدفین کے ساٹھ سال بعد بھی ان کے کفن کو کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔ کہیں سے ذرا سا بھی گلا سڑا نہیں تھا۔ کفن کے اندر جسم بھی محفوظ پڑا تھا۔ مزدوروں نے فی الفور لحد کو بند کیا اور دوڑتے ہوئے ہمارے رشتہ داروں کے پاس جو جھنگ میں ہیں، گئے اور انہیں جائے وقوعہ پر لائے اور پوچھا یہ قبر کن کی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ قادری صاحب کی دادی جان کی قبر ہے۔ پھر مزدوروں نے انہیں سارا واقعہ سنایا۔ تھوڑے عرصہ بعد جب مَیں خود جھنگ گیا تو ان تمام مزدوروں نے یہ چشم دید واقعہ مجھے سنایا۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کتنا کرم تھا۔ یہ سب ان کے تقویٰ اور صالحیت کی وجہ سے تھا۔''

تلاشِ علم میں شہر اقبال آمد

علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ جھنگ سے سیالکوٹ کی مردم خیز سرزمین پر قدم رکھتے ہیں وہاں انہیں مفتی اعظم حضرت علامہ محمد یوسف رحمہ اللہ سیالکوٹی کا دامن شفقت میسر آتا ہے۔ دو سال کے مختصر عرصہ میں ان سے درس نظامی کی کتب پڑھیں اور ساتھ ہی ایک اسکول میں باقاعدہ داخل ہو کر میٹرک کر لیا۔ زیورات سے ماحصل دولت صرف بیس روپے کب تک ساتھ دیتے۔ ٹیوشن کا سلسلہ شروع کیا۔ پڑھاتے بھی رہے اور پڑھتے بھی رہے۔ اور گاہے گاہے گمنام خطوط کی صورت میں اپنے اہل خانہ کو مطلع کرتے رہے۔ والد صاحب نے اپنے اس بیٹے کی جدائی شدت سے محسوس کی لیکن جب خبر ملتی کہ بچہ بخیر و عافیت ہے تو دعاءِ خیر دے کر خاموش ہو جاتے۔ سیالکوٹ میں محترم ڈاکٹر محبوب عالم قریشی رحمہ اللہ (ہومیو پیتھ) کے ہاں مقیم رہے۔

طلب علم میں لکھنؤ روانگی

سیالکوٹ میں میٹرک اور درسِ نظامی کی اعلیٰ کتب کی تعلیم کے بعد لکھنؤ کے لئے عازمِ سفر ہوئے۔ لکھنؤ میں فرنگی محل ایشیا کا معروف ترین مرکز علم وفن تھا۔ وہاں برصغیر کے اکابر علماء و فضلاء اور جلیل القدر فقہاء میں ایک نام سرِ فہرست نظر آتا ہے جسے تاریخ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ فرنگی محلی کے نام سے جانتی ہے۔ علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو ذہانت و فطانت کی وجہ سے وہاں داخلہ مل گیا۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے جوائنٹ طبیہ کالج میں داخل لے لیا۔ اس کالج کے پرنسپل جناب شفاء الملک حکیم عبدالحلیم لکھنوی رحمہ اللہ تھے۔ موصوف حکیم اجمل خاں اور حکیم نابینا انصاری جیسے عظیم المرتبت حکماء واطباء میں شمار ہوتے تھے۔

لکھنؤ میں جوائنٹ طبیہ کالج کا محل وقوع کچھ ایسا تھا کہ اس کے بالکل سامنے کنگ جارج میڈیکل کالج پُرشکوہ عمارت دعوتِ نظارہ دیتی تھی۔ دونوں اداروں میں

باقاعدہ طے شدہ نظم کے تحت کبھی طبیہ کالج کے طلباء کنگ جارج میڈیکل کالج چلے جاتے اور کبھی وہاں کے طلباء ادھر آجاتے اور کبھی دونوں کسی ایک کالج میں ہم سبق ہو جاتے۔ اسی حسین امتزاج کی وجہ سے طلباء قدیم و جدید طب سے یکساں بہرہ ور ہوتے۔ ایک طرف وہ حکیم حاذق کہلاتے تو دوسری طرف ڈاکٹر اور ایل۔ ایس۔ ایم۔ ایف اور ایم۔ بی۔ بی۔ ایس وغیرہ کی ڈگریوں کے اعزازات بھی حاصل کر لیتے۔ حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو بھی یہ حسین مواقع میسر آئے۔

گوہرِ علم کا یہ متلاشی طلب علم میں یوں مخلص تھا، جیسے طالب مال کا دل اور آنکھیں کبھی سیر نہیں ہوتیں اسی طرح ان کی آنکھیں اور جی طلب علم میں انہیں کبھی سیر نہیں ہونے دیتا تھا۔ اگرچہ راہِ وفا کے مسافر کے لئے اس راہ میں دھوپ ہی دھوپ ہے۔ اور سایہ کہیں کہیں میسر آتا ہے، لیکن ''تقدیر کے قاضی کا ازل سے یہ فتویٰ ہے کہ ''دشتِ طلب کے راہی ہی بامراد رہتے ہیں اور انہیں کبھی مایوسی نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف ہر دو کالجوں میں فہرستِ اوّل کے طلباء میں شمار ہوتے تھے۔

دشتِ غربت میں دستِ شفقت

اللہ تعالیٰ نے انہیں ذہانت و فطانت، فہم و ذکاوت، نکتہ سنجی اور استخراج و استنباط کی صلاحیتوں سے خوب نوازا تھا۔ حافظہ کمال کا رکھتے تھے، لیکن کامیابی اور کامرانی کے بامِ عروج تک پہنچتے پہنچتے کبھی کبھی مسافر اپنی آبلہ پائی دیکھ کر کرب بھی محسوس کرتا ہے۔ اور لذتیں و فرحتیں بھی پاتا ہے۔ عروسِ علم کے ہر نقاب کو اُلٹنے کا عزم رکھنے والے علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری کو گھر سے نکلنے کے وقت سے میڈیکل کالجوں میں داخلے تک فقر و فاقہ کی لذتوں سے کبھی محروم نہیں ہوئے۔ ایک بار تو یوں ہوا کہ فاقے کی شدت سے کالج نہ جا سکے۔ عزم و ہمت کے پاؤں میں بھوک کے عفریت نے اپنی بیڑیاں سخت کر دیں۔ کالج سے غیر حاضری کا صفحہ تو ان کی کتابِ زندگی میں تھا ہی نہیں۔ اساتذہ، دوست اور حلقہ

یاراں متفکر ہوا۔ شام کو طبیہ کالج کے پرنسپل جناب حکیم عبدالحلیم نے یاد فرمایا۔ بڑی مشکل سے افتاں و خیزاں ان کے ہاں پہنچے تو حکیم صاحب نے دریافت فرمایا، بیٹے آج خیریت تھی کالج نہیں آئے؟ اہلِ محبت کے ہاں شکوہ حرام ہوتا ہے۔ بھوک کا شکوہ نہ کر سکے۔ اگرچہ لبوں کا غنچہ وا نہ ہوا تھا لیکن ''تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں'' جسم نازنین میں نقاہت اور شرم و حجاب سے نیچی نگاہیں اپنا راز اُگل چکی تھیں، پھر بھی شفیق اُستاد نے تسلی خاطر کو پوچھ ہی لیا۔ بیٹے صبح کیا کھایا تھا؟ ''جوابِ صاحباں باشد خاموشی''۔ بیٹے دوپہر کو کیا کھایا؟ جواب اب بھی نہ ملا تو اس صاحب علم وراقت نے اس یگانۂ روزگار کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ حکیم صاحب کی اہلیہ محترمہ ایک معصوم بچے متین بابو کو مامتا سے محروم کر کے راہیٔ اجل ہو چکی تھیں۔ آج سے شفاء الملک کے ہاں متین بابو کے ساتھ ایک اور بیٹے متبنّٰی نے اپنا بستر بچھا لیا۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ اس گھر میں کیا آئے متین بابو کا دل بہل گیا۔ حکیم عبدالحلیم پرنسپل جوائنٹ طبیہ کالج کے سایہ عاطفت میں پناہ لینے والا علامہ فرید الدین قادری ''فرید روزگار'' نکلا اور کامیابی و کامرانی اس کے قدم چومنے لگی۔

رنگ لاتی ہے حنا......

غربت کے عفریت سے نجات ملی تو فرید روزگار نے بیس بیس گھنٹے پڑھنے کی خو ڈالی۔ کبھی کبھی چند لمحات کے لئے جو آنکھ لگی بھی تو طلب صادق نے آ کے جگا دیا۔ کاروان شوق کے مسافر نے پھر انگڑائی لی اور چل دیا۔ چلتے چلتے چار پانچ سال کے مختصر عرصہ میں دائیں بائیں بلکہ ہر طرف سے علم کے موتی سمیٹتا ہوا اپنی جھولیاں بھرتا چلا گیا۔ جوائنٹ طبیہ کالج سے طب کی سند حاصل کی۔ کنگ جارج میڈیکل کالج سے سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ درسِ نظامی مکمل ہوا۔ یعنی پانچ سال کے قلیل عرصہ میں بیک وقت دینی، دنیوی، طبی، یونانی اور ایلوپیتھی کے کورس مکمل کئے۔ اور فرید الدین سے ''ڈاکٹر فرید الدین قادری'' ہوئے۔ اس طرح آپ علم و عمل کے مقام علیا پر فائز ہو کر اُفق عالم پر چمکے۔

شعر و ادب کی دنیا میں قدم

لکھنؤ علم و ادب کا گہوارہ، شعراء کا شہر، ادیبوں کا دیس، نزاکت و بانکپن کا شہر، جو شکیل مینائی کا شہر تھا، میر مینائی کا شہر تھا۔ شعر و ادب کی چاشنی سے اس کے در و دیوار بھی آشنا تھے۔ ایسے ماحول میں علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ شعر و ادب کی لطافتوں سے کس طرح نا آشنا رہ سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے شکیل مینائی کہ شہرہ آفاق شخصیت سے محبت کا خراج وصول کیا، شاعری میں اُن سے تلمذ کیا، اصلاح لی، لکھنؤ کے مشاعرے لوٹے اور پھر لکھنؤ کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا جس میں چوٹی کے شعراء شریک ہوں اور ان میں علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری شامل نہ ہوں۔ شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی اور خوب کی۔ بڑے بڑے نامور شعراء میں ناموری پائی۔

وطن واپسی اور عملی زندگی کا آغاز

دینی وطبی تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ وطن واپس تشریف لے آئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنے گھر کی بیٹھک میں ایک چھوٹا سا کلینک کھول کر اپنی عملی زندگی کا آغاز کر دیا۔ خود رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے اور دیگر بہن بھائیوں کی شادیوں کا اہتمام کیا۔ تحصیل علم اور رُوح کی بالیدگی کا ذوق بتدریج پروان چڑھتا گیا۔ ڈسٹرکٹ ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ میں باقاعدہ ملازمت اختیار کر لی۔ اس دوران ضلع جھنگ کے مختلف علاقوں میں تعینات رہے۔ ہر مقام پر لوگوں کے علاج معالجہ کے ساتھ ساتھ تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ جہاں بھی آپ کی ٹرانسفر ہوتی وہیں مسند رشد و علم بچھا لیتے۔ سرکاری اوقات کار سے فراغت کے بعد عصر سے مغرب تک کا وقت دینی علوم کی تعلیم و تدریس کے لیے وقف کر دیا۔ تحصیل علم اور تفویض علم کا سلسلہ زندگی بھر جاری رکھا۔

حضرت فریدِ ملتؒ اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی اجازات و اسانید حدیث

(محمد عمر حیات الحسینی)

علمی اِسناد اور اُمتِ محمدیہ

''سند حدیث'' امت محمدیہ ﷺ کی خصوصیت ہے۔ ہمارے اساتذہ سے لے کر حضور نبی اکرم ﷺ تک جتنے ائمہ محدثین گزرے اور جن کے ذریعہ یہ علمِ حدیث ہم تک پہنچا ہے۔ ان کا سلسلہ سند ایسی چیز ہے جو صرف امت محمدیہ کو حاصل ہے، یہ علمی و تحقیقی اسلوب روئے زمین پر کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں۔ کوئی بھی مذہب اور ملت والا یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کے مقتدا یا اس کے نبی اور پیغمبر کی باتیں ان تک اس طرح پہنچی ہیں کہ ان کے بارے میں خم ٹھونک کر اعتماد کے ساتھ یہ کہا جاسکے کہ یہ باتیں یقیناً ہمارے پیغمبر نے کہی ہیں۔ یہ اعتماد نہ کسی یہودی کو حاصل ہے کہ وہ اپنی تورات کے بارے میں کہہ دے، نہ کسی نصرانی کو حاصل ہے کہ وہ اپنی انجیل سے متعلق یہ بات کہہ دے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ تورات اور انجیل قابل اعتماد نہیں۔ ان کتابوں کے حاملین کے پاس اپنے پیغمبروں کی طرف اس کی نسبت کا کوئی ثبوت، کوئی سند، کوئی دلیل موجود نہیں۔ آج اگر یہودی مذہب کے کسی بڑے سے بڑے عالم سے یہ پوچھ لیا جائے کہ یہ تورات جس کو تم اللہ تعالیٰ کی آسمانی کتاب کہتے ہو، اس کا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟ تمہارے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یہ تورات وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ پر نازل فرمائی تھی۔ اس کے پاس اس سوال کا جواب بغلیں جھانکنے کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوگا۔ یہی حال انجیلوں کا ہے۔ اور آج کل دنیا میں جو اناجیل موجود ہیں یہ وہ نہیں ہیں جو حضرت

عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں۔ موجودہ لوگوں کے پاس ان کے منزل من اللہ ہونے کا کوئی ثبوت، کوئی سند اور کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ جب تورات و انجیل کے متعلق وہ کوئی سند اور ثبوت پیش نہیں کر سکتے تو دیگر واقعات و روایات کی سند کہاں سے لا سکتے ہیں۔

لیکن امت محمدیہ علیہا التحیۃ و السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز عطا فرمایا کہ آج جب ہم کسی حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ حضور سرکار ختمی مرتبت ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تو اطمینان قلب کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کی طرف اس کی نسبت درست ہے۔ اور آج اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہ کیسے پتہ چلا کہ یہ بات حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی تھی تو اس کے جواب میں وہ پوری سند پیش کر دی جاتی ہے جو حدیث کے شروع میں ہوتی ہے۔ اور پھر صرف اتنی بات نہیں کہ ہم سے لے کر حضور نبی اکرم ﷺ تک صرف نام محفوظ ہیں بلکہ راویانِ حدیث کے حالات بھی محفوظ ہیں کہ یہ آدمی کون تھا؟ کس زمانہ میں پیدا ہوا تھا؟ کن اساتذہ سے اس نے تعلیم حاصل کی تھی؟ کیسا حافظہ تھا؟ ذہانت کی کیفیت کیا تھی؟ دیانت و امانت کی کیفیت کیا تھی؟ اس کا سارا حال اور ایک ایک راوی کا سارا ریکارڈ کتابوں کے اندر محفوظ ہے۔ راویانِ حدیث کی ولادت سے لے کر وفات تک کے متعلقہ حالات سب مدون اور محفوظ ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ راویوں کے حالات کو کیوں محفوظ کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس لئے کہ انہوں نے حضور سرکار ختمی مرتبت ﷺ کی احادیث روایت کی تھیں، لہٰذا ان کے بارے میں یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ ان کی روایتِ حدیث پر اعتماد کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ پھر راویانِ حدیث کے یہ حالات زندگی بھی صرف سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر نہیں لکھے گئے، بلکہ ایک ایک راوی کے حالات کی جانچ پڑتال کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے عظیم علماء جرح و تعدیل پیدا کیئے کہ جو ایک ایک راوی کی خوبیوں اور کمزوریوں سے واقف تھے۔ علماء جرح و تعدیل میں حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ حدیث کے رجال کی پہچان کے سلسلے میں اتنا ملکہ راسخہ حاصل تھا کہ اگر تمام راویانِ حدیث کو ایک

میدان میں کھڑا کر دیا جائے اور پھر حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ کو ایک ٹیلے پر کھڑا کر دیا جائے تو وہ ایک ایک راوی کی طرف انگلی اٹھا کر یہ بتا سکتے تھے کہ یہ کون ہے؟ اور حدیث میں اس کا کیا مقام ہے؟

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ اپنی مشہور اصول حدیث کی کتاب ’’الکفایۃ‘‘ میں بیان کرتے ہیں۔ کہ ائمہ جرح و تعدیل کسی راوی حدیث کے حالات کی تحقیق کے لئے اس کے گاؤں اور اس کے محلے میں جایا کرتے تھے۔ اُس وقت اونٹوں اور گھوڑوں پر اور پیدل سفر ہوتا تھا۔ اس کے حالات کی چھان بین کرتے، اس کے پڑوسیوں سے، اس کے ملنے جلنے والے دوستوں سے، اور اس کے اعزہ و اقارب سے پوچھا جاتا کہ یہ کیسا آدمی ہے؟ یہ آدمی معاملات میں کیسا ہے؟ اخلاق میں کیسا ہے؟ دین کی اتباع میں کیسا ہے؟ بسا اوقات بہت زیادہ کھود کرید کرنے پر لوگ ائمہ جرح و تعدیل سے پوچھا کرتے کہ کیا تم اپنی لڑکی کا رشتہ یہاں کرنا چاہتے ہو؟ اس وجہ سے تم ان کے حالات کی اتنی چھان بین کر رہے ہو؟ جواب میں ائمہ جرح و تعدیل کہا کرتے کہ کوئی رشتہ تو نہیں کرنا چاہتے، لیکن انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث روایت کی ہے، لہٰذا ہمیں تحقیق کرنا ہے کہ آیا ان کی روایت کردہ حدیث درست ہے یا نہیں؟

فن اسماء الرجال

ائمہ جرح و تعدیل نے فن اسماء الرجال پر تیس تیس جلدوں میں کتابوں کو مرتب کیا ہے۔ حروف تہجی کی ترتیب سے راویانِ حدیث کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ اس فن ’’اسماء الرجال‘‘ کی تدوین صرف امت محمدیہ کا اعزاز ہے۔

سند کے بغیر حدیث غیر مقبول

جب ’’صحاح ستہ‘‘ وغیرہ وجود میں نہیں آئی تھیں۔ اس وقت تک اصول یہ تھا کہ جب کوئی آدمی کوئی حدیث سناتا تو اس پر یہ لازم اور ضروری تھا کہ وہ صرف حدیث نہ

سنائے، بلکہ اس حدیث کی پوری سند بھی بیان کرے۔کہ یہ حدیث مجھے فلاں نے سنائی اور فلاں کو فلاں نے سنائی اور فلاں کو فلاں نے سنائی۔ پہلے پوری سند بیان کی جاتی، پھر حدیث سنائی جاتی، تب اس کی بیان کردہ حدیث قابلِ قبول ہوتی تھی۔اور سند کے بغیر کوئی آدمی حدیث سناتا تو کوئی اس کی بات سننے کو بھی تیار نہیں ہوتا تھا۔لہٰذا اب کتب حدیث کی اشاعت اور ان کے تواتر کے درجے تک پہنچ جانے کے بعد سند کی اتنی زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں رہی۔ اب حدیث کے بعد **رواہُ البخاری** اور **مسلم** وغیرہ کہہ دینا کافی ہے۔لیکن روایت اور اجازت کے لئے پوری سند کو محفوظ رکھنا ائمہ محدثین کے نزدیک نہایت مقبول ترین اور محبوب ترین مشغلہ ہے۔

راویانِ حدیث نور کے مینار ہیں، ان میں سے ایک ایک فرد ہمارے لئے سر کا تاج ہے۔ سلسلہ سند میں آنے والے راویوں کے نام محض نام نہیں ہیں، بلکہ یہ انوار و برکات کے چشمے ہیں جن کا سلسلہ حضور نبی اکرم ﷺ سے جڑ جاتا ہے۔

راویانِ حدیث کی تمثیل

حضور نبی اکرم ﷺ تک جو پورا سلسلہ سند ہے، اس میں جو راویانِ حدیث ہیں وہ دراصل ''پاور ہاؤس'' سے جوڑنے والے کھمبے ہیں۔ جس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ ''حدثنا فلاں'' یا ''اخبرنا فلاں'' گویا اس باطنی علم کے بلب کا سوئچ آن ہوجاتا ہے۔اور اس کے نتیجے میں اس ''سلسلۃ الذھب'' یعنی سونے کے زنجیر کے ذریعہ ہمارا سلسلہ براہِ راست مرکزِ فیض پاور ہاؤس یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے جڑ جاتا ہے لہٰذا جو شخص اس سلسلۃ الذھب میں شامل ہوگیا اس کا علم معتبر ہوگیا۔

اسلام کی شاہراہ حیات ہر عہد میں موجود رہی

اسلام ایک زندہ مذہب ہے اس لئے تاریخ کے ہر عہد میں یہ زندہ اور متحرک

رہا۔ اسلام کے تمام دور آپس میں زنجیر کی کڑیوں کی طرح مربوط و منظّم ہیں۔ اسلام کو تاریخ کے مختلف ادوار میں خواہ کیسے ہی ناسازگار اور ناگفتہ بہ حالات میں سے کیوں نہ گزرنا پڑا، شاہرہ حیات پر اس نے اپنا سفر کامیابی سے جاری رکھا اس پر کوئی دور ایسا نہیں آیا کہ اس کی اساسی حیثیت کلیتًا مٹ گئی ہو اور آئندہ پھر نئے سرے سے آغاز اسلام ہوا ہو۔

قربتِ خداوندی اسلامی تعلیمات کا مقصد

اسلام کی مسلسل تاریخ اور تعلیمات کا مقصود و منتہٰی ذاتِ واجب الوجود کی معرفت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا اجتماعی نقطہ بھی دعوت الی اللہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء و رسل توحید کے داعی ہیں۔ یہ بھی ایک بنیادی نقطہ ہے کہ ان کے واسطہ نبوت و رسالت کے بغیر اسلامی توحید کی صحیح معرفت ممکن نہیں ہے۔ عقیدہ توحید کو ایمان بالرسالت سے اور ایمان بالرسالت کو توحید سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

انبیاء و رسل عظام علیھم السلام کے بعد ان پر ایمان لانے والے اسی شاہراہ مسلسل کے داعی رہے۔ اور ان کی پیروی اس مسلسل شاہراہ سے ملانے والی صراطِ مستقیم تھی۔ انبیاء کرامؑ کی طرح ان پر ایمان لانے والوں کی منزل اور دعوت کا مرکزی نقطہ بھی عقیدہ توحید و رسالت ہی تھا اس لئے ان کی پیروی آئندہ لوگوں کے لئے نشان ہدایت بن گئی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسلام کی شاہراہ مسلسل کے داعی صحابہ کرامؓ و اہل بیت اطہارؓ کے نفوس قدسیہ تھے۔ اور وہ اپنے اپنے دائرہ رسوخ میں بندگان خدا کو اس شاہراہ کی دعوت دیتے رہے۔ اور آئندہ آنے والی نسلیں ان ہی کے نقوش سیرت اور نورِ احوال سے اس منزل کا سراغ پاتی رہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت اطہار آسمان رشد و ہدایت کے چمکتے آفتاب تھے۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے عالمی رحمت کی ایک صورت تھے۔ ان کا اختلاف بھی رحمت تھا، جس سے زندگی کے ہر خاکے میں طرح طرح

کے رنگ نکھرتے گئے۔

جس طرح رجوع الی اللہ کی دعوت تمام انبیاء و رسل عظام علیھم السلام کا مشترکہ فریضہ تھا، اسی طرح سب امت کو حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس تک لانا تمام اوّلین و آخرین کا اجتماعی نقطہ رہا اور رجوع الی الرسول کی دعوت ہی ان کی اصل منزل کے لئے بنیاد اور وسیلہ لازم قرار پائی۔ اور قیامت کے دن بھی یہی مرکزی نقطہ ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت اطہار کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ آئندہ آنے والے لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت اور غلامی میں جڑ جائیں اور اسلام کی شاہراہ مسلسل پر گامزن ہوجائیں۔ ان کی دعا رہی کہ اسلام کا ہر قافلہ اپنے بعد آنے والوں کی پیروی سے اپنے پہلوں کے ساتھ مسلسل رہے۔ قرآن حکیم میں یہ دعا یوں مذکور ہے:

وَ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا. (الفرقان، ۲۵: ۷۴)

”اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے ٥“

امام بخاری اپنی ”الصحیح (کتاب الإعتصام بالکتاب والسنة، في ترجمة الباب: بَاب الِاقْتِدَاءِ بِسُنَنِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، ۶: ۲۶۵۴)“ میں اس دعا کا معنی یوں بیان فرماتے ہیں:

أَئِمَّةً نَقْتَدِي بِمَنْ قَبْلَنَا وَيَقْتَدِي بِنَا مَنْ بَعْدَنَا.

”اے رب! ہمیں ایسے پیشوا بنا کہ ہم تو اپنے پہلے ائمہ و اکابر کی پیروی کریں اور ہمارے بعد آنے والے ہماری پیروی کریں یعنی ہمارے ساتھ متصل ہوں۔“

قرآن و سنت کی تعلیمات کا نچوڑ یہ ہے کہ ہر عہد میں امت کا بعد میں آنے والا حصہ گزرے حصے سے مسلسل جڑا رہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی رسی کا ہر جزو اپنے ماقبل اور مابعد سے متصل ہو۔ یہ دین اسلام کی علمی میراث اور اس کا تہذیبی ورثہ ہے جو

حضور نبی اکرم ﷺ سے صحابہ کرام ﷺ کو اور صحابہ کرام ﷺ سے تابعین، تبع تابعین اور ائمہ و اکابرین امت کو پہنچا۔ اس کی شاہراہ مسلسل "خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ" کی بشارت نبوی ﷺ میں صحابہ و تابعین سے مسلسل چلی آ رہی ہے ۔اور ان سے اپنا فکر و عمل متصل اور وابستہ رکھنے ہی میں فلاح کا راز مضمر ہے۔

پس وہی اہل دین صحیح لائق تقلید ہوں گے جن کے علم و فہم کی سند ماضی سے منقطع ہو نہ مقطوع ہو۔ اور ہم صرف انہی لوگوں کی علمی ثقاہت پر اعتماد کر سکتے ہیں کہ جن کے علم کے طرق اور اسانید متصل اور مضبوط ہوں اور مسلسل بھی۔ وہی لوگ علم و ارشاد میں مقتداء کہلانے کے مستحق ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ تک زنجیر کی کڑیوں کی طرح مربوط ہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کی کوئی صدی ائمہ، مجددین، مصلحین اور صالحین سے خالی نہیں رہی۔ ائمہ علم وفن، ائمہ رشد و ہدایت اور ائمہ سلوک و معرفت کی کسی زمانے میں کمی نہیں رہی۔ ان وارثان نبوت میں کوئی طبقہ نسبتِ اسلام کا محافظ رہا، کوئی نسبتِ ایمان کا محافظ رہا اور کوئی نسبتِ احسان کا، کوئی الفاظ وعلوم قرآن کا اور کوئی نسبتِ صاحب فرقان ﷺ کا۔ ان تمام طبقوں کا تا قیامت باقی رہنا ہی اسلام کا تسلسل اور اس کا عظیم معجزہ ہے۔

قرآن و سنت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اسلام کے تسلسل پر قائم رہنے والا طبقہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اور کوئی باطل قوت اس کو جڑ سے نہ اکھاڑ سکے گی۔ حق و باطل کی معرکہ آرائی برابر جاری رہے گی۔ جس طرح قرآن و سنت کی ہدایت مسلسل رہے گی اسی طرح گمراہی بھی برابر چلے گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان کے درمیان امتیاز کیسے ہو؟ اس کا جواب ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ خط مستقیم صرف ایک ہوتا ہے جبکہ ٹیڑھے خطوط کئی ہوتے ہیں۔ اس طرح ہدایت کی راہ بھی ایک ہے اور گمراہی کی راہیں بے شمار ہیں۔ گمراہی و ضلالت کی ہر راہ ایک دوسرے سے مختلف ہوسکتی ہے جیسے ٹیڑھے خط آپس میں سب مختلف ہوتے ہیں مگر غلط اور گمراہ ہونے میں سب برابر ہیں،

اس لئے کہ ضلالت و گمراہی پھیلانے والے لوگ اپنے طریقہ کو کبھی ایک دوسرے کی طرف اسناد نہیں کرتے۔ نمرود، فرعون، شداد، ہامان اور یزید سب اپنے اپنے عہد میں ائمۃ الکفر تھے مگر ایک دوسرے سے انتساب کے ہرگز دعویدار نہ تھے۔ ان کے برعکس انبیاء و رسل عظام علیہم السلام جو ائمہ رشد و ہدایت تھے اور سرچشمہ فلاح تھے، وہ تمام ایک دوسرے کے مصدق اور مؤید تھے۔

منکرین ختم نبوت ہوں یا منکرین حدیث و سنت، مقام نبوت کی اہانت و تنقیص کرنے والے ہوں یا منکرین حیات النبی ﷺ یہ تمام ضلالت و گمراہی کے امام ہیں۔ مگر آپس میں کوئی انتساب نہیں رکھتے۔ اور ان میں سے کسی نے اپنے طریقہ کفر و انحراف کو اپنے ماقبل سے اسناد نہیں کیا۔ یہ تمام اپنے اپنے طریقہ انحراف کے موجد ہوتے ہیں۔ اس کے بالمقابل وہ تمام اہل حق جو ائمہ رشد و ہدایت بنے وہ آپس میں اسناد و اعتماد رکھتے ہیں کیونکہ حق کی راہ مسلسل ہدایت کی راہ ہے اس لئے اسے ''صراط مستقیم'' کا نام دیا گیا ہے اور صراط مستقیم کی پہچان علم، فکر یا عقیدہ کے نام سے نہیں بلکہ رجال، اشخاص اور اسناد کے نام سے کرائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ (الفاتحہ، ۱:۵)

''ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۝''

گویا ہمیں رجال اور ان کے نقوش قدم کی طرف متوجہ کر دیا گیا ہے، اس لئے اس راستے کے پیروکار آپس میں اسناد و اعتماد رکھتے ہیں اور گمراہی کی راہیں اگرچہ ہر عہد میں موجود رہیں لیکن وہ آپس میں مسلسل اور مربوط نہیں ہیں۔

حقانیت اور صداقت کا امتیاز اس کا اسنادی پہلو ہے

صراط مستقیم کی پیروی کرنے والے اہل حق جو حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع میں بڑھتے چلے گئے وہ گو فرداً فرداً غلطی سے مبرا نہ ہوں، مگر ان کا مجموعی مؤقف ضرور

محفوظ عن الخطاء رہا ہے۔ یہ تو درست ہے کہ انفرادی طور پر ان میں اختلافات ہوئے مگر ان کے اختلافات فروعی تھے۔ اصولی نہ تھے اس لئے ان کی توجیہہ کی جاتی ہے، تردید و تغلیط نہیں۔ اور فقہی اختلافات میں بھی انہیں راجح اور مرجوح سے آگے نہیں جانے دیا جاتا۔ اس لئے کہ ان سب کے باوجود یہ ایک راہ ہے اور یہ راستہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کا راستہ ہے۔ یہ تمام اہل حق اپنے ہر عقیدے اور عمل کی سند اپنے ما قبل سے لیتے رہے اور اسی طریق سے یہ متوارث دین ہم تک پہنچا ہے۔

یہ سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چلا اور ارض ہند و پاکستان میں بارھویں صدی کے بعد یہ اسناد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ذات میں جمع ہو گئے۔ پاک و ہند بلکہ بیشتر بلادِ عربیہ کی اسناد کا بھی آپ سرچشمہ ٹھہرے۔ اور آپ کی ذات روشنی کا مینار قرار پائی۔ بعد میں آنے والے سب اہل علم انہی سے سند لیتے رہے اور ان کی ذات اہل حق کے سلسلہ اسناد میں مرجع بن گئی۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا شجرہ علمی اور اسنادی پہلو امام الھند حضرت شاہ ولی اللہ کی طرح ہمہ جہت اور متنوع طرق کا آئینہ دار ہے ۔کیونکہ وہ تمام بلادِ اسلامیہ کے شیوخ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے مسلکی مزاج میں حد درجہ توازن و اعتدال پایا جاتا ہے۔ آپ دین کے سمجھنے سمجھانے میں اسلام کی مسلسل شاہراہ پر گامزن ہیں۔ ائمہ سلف سے رہنمائی پاکر اسلام کی رشد و ہدایت کو آئندہ نسلوں کے لئے جدید پیرائے میں متوازن انداز میں منتقل کرتے جا رہے ہیں۔ باپ اور بیٹے دونوں کا اسنادی پہلو نہایت جامع ہے۔ فقہ میں چاروں ائمہ مجتہدین سے انتساب علمی رکھتے ہیں۔ گو مقلداً حنفی ہیں لیکن دیگر ائمہ کے استخراجات کے شعور کی بھی پوری طرح لذت محسوس کرتے ہیں۔

حضرت فریدِ ملت رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے اسنادی پہلو پر بنظر انصاف غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں نہ ظاہریت کی تفریط ہے اور نہ باطنیت کی افراط بلکہ قرون اولی کے سلف صالحین کا توازن و اعتدال اِن کا مسلک مختار ہے۔

حضرت فرید ملتؒ اور شیخ الاسلام مدظلہ العالی کا اسنادی پہلو اِن کی ہمہ جہت شخصیت کا ترجمان ہے۔ اس لئے ان میں اکابر سند کے اوصاف صاف جھلکتے ہیں:

☆ کبھی آپ مسند تصوف وسلوک پر حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی صورت میں بولتے نظر آتے ہیں۔

☆ کبھی آپ علم وحکمت میں امام غزالی رحمہ اللہ، ابن رشد رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔

☆ کبھی آپ فقاہت میں قلم کی جولانیاں دکھاتے ہیں تو امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ کی خوشبو بکھیرتے ہیں۔

☆ جب آپ تفسیر قرآن بیان کرتے ہیں تو امام رازی، امام روز بیان بقلی، امام قرطبی، امام محمود آلوسی، امام ابن کثیر اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمھم اللہ کی طرح دقیقہ سنجی کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔

☆ جب آپ علم حدیث پر کلام کرتے ہیں تو ابن حجر عسقلانی، امام قسطلانی، امام ذہبی اور امام سیوطی رحمھم اللہ جیسے ائمہ محدثین کی صورت میں فیض حدیث پہنچاتے دکھائی دیتے ہیں۔

☆ جب آپ نغمہ عشق مصطفیٰ ﷺ اور ساز درد چھیڑتے ہیں تو آپ قاضی عیاض مالکی، رومی، جامی اور اعلی حضرت فاضل بریلوی رحمھم اللہ کا روپ دھار لیتے ہیں۔

☆ جب آپ تذکار رسالت کے گن گاتے ہیں تو آپ ابن اسحاق، ابن ہشام

صالحی شامی اور امام یوسف النبہانی رحمھم اللہ کا عکس جمیل دکھائی دیتے ہیں۔

میں آپ کی اسانید کے متعدد طرق کو جب دیکھتا ہوں تو مجھے قرون اولیٰ کی ایک جماعت کی خوشبو حضرت فریدِ ملتؒ اور شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے وجود میں محسوس ہوتی ہے۔

جن کے طیب نفس سے عالم اسلام معطر ہو رہا ہے، جن کی زبان قدسیہ سے صراط مستقیم کی شمعیں روشن ہو رہی ہیں، جن کے صالح اعمال کو دیکھ کر لوگ راہ ہدایت حاصل کر رہے ہیں۔ آپ کی خدمات آسمان علم و عمل پر ستاروں کی مانند چمک رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بیان و کلام میں بلا کی روحانی اسپرٹ اور حد درجے کی مٹھاس پائی جاتی ہے۔ جس موضوع پر بولتے ہیں اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی بھر اسی موضوع کا مطالعہ اور تیاری کی ہوئی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آپ کی اجازاتِ علمیہ اور اسانید بیک وقت کئی خوشبوؤں اور مختلف رنگوں کا مجموعہ ہے۔ آیئے اِن اسانید کا مطالعہ کرتے ہیں۔

حضرت فریدِ ملتؒ اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا شجرۂ علم

حضرت فریدِ ملت رحمہ اللہ علیہ کے سلاسل اسناد کے متعدد طرق اور واسطے ہیں۔ اور ہر واسطہ اسناد حدیث میں ایک دوسرے سے عالی اور جید ہے۔ اگر آپ کے سلاسل اسناد کے علمی و فنی محاسن کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ اسناد کے طرقِ متنوع کی ہمہ گیری، وسعت، آفاقیت آپ کے وسیع المشربی پر اور علوم کی وسعت پر دال ہے۔

آپ کے سلسلہ سند کا ہر واسطہ کتنا پاکیزہ، کتنا مطہر، کتنا معطر و معنبر، کیسا حسین اور کیسا عمدہ ہے، کتنا مستند اور جامع سلسلہ اسناد ہے، کتنے دریاؤں کا پانی ایک نہر سے

جاری ہو رہا ہے، جس نہر سے علماء وطلباء قرآن و حدیث کے حامل بن رہے ہیں۔ اس کا اندازہ لگانا ہو تو آپ کی اسانید کا مطالعہ کیا جائے، تشنگان علم قدر دان ہو رہے ہیں۔ عوام الناس سیراب ہو رہے ہیں، خواص آبیار ہو رہے ہیں۔

حضرت فریدِ ملت رحمہ اللہ کو قرآن وسنت کے علوم و معارف کی سند عالم اسلام کے لائق احترام شیوخ و اساتذہ سے ملی ہے، جس کا حضرت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اپنی اسانید میں تفصیلاً تذکرہ کیا ہے:

شیوخِ حرمین (مکہ و مدینہ)

۱۔ امام عمر بن حمدان المحرسی

۲۔ امام محمد بن علی بن ظاہر الوتری

۳۔ امام احمد بن اسماعیل البرزنجی

۴۔ امام احمد شریف بن محمد السنوسی

۵۔ امام احمد بن زینی الدحلان

۶۔ الشیخہ اَمۃ اللہ بنت الامام عبدالغنی رحمہم اللہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے حرمین شریفین کے مذکورہ بالا ائمہ ومحدثین کی اسانید حدیث اور اجازات علوم شرعیہ درج ذیل شیوخ کے واسطہ سے حاصل کی ہیں۔ اور انہی سے براہ راست اخذ علم حدیث اور سماع و روایت حدیث کا شرف پایا ہے:

۱۔ محدث حرم الشیخ علوی بن عباس المالکی المکی

۲۔ الشیخ المعمّر محمد ضیاء الدین القادری المدنی

۳۔ الشیخ حسین بن احمد العسیران

۴۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمهم الله

شیوخِ بغداد

۱۔ امام المحدثین الشیخ امام عبد الرحمٰن بن علی النقیب البغدادی

۲۔ امام عبد السلام محدث الآفندی البغدادی

۳۔ امام عبد الرزاق البزاز المحدث البغدادی رحمهم الله

ان شیوخ بغداد سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے مندرجہ ذیل شیوخ و اساتذہ کی وساطت سے اجازتِ حدیث حاصل کی ہے:

۱۔ الشیخ السید طاہر علاؤ الدین الجیلانی البغدادی

۲۔ الشیخ السید علوی بن عباس المالکی المکی

۳۔ الشیخ السید عبد المعبود الجیلانی المدنی

۴۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمهم الله

شیوخِ شام

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو ملک شام کے درج ذیل شیوخ و اساتذہ سے سند و اجازتِ حدیث حاصل ہوئی ہے:

۱۔ محدثِ شام امام محمد بن جعفر الکتانی

۲۔ محدثِ شام امام محمد بدر الدین بن یوسف الحسنی

۳۔ امام عبد الحی بن عبد الکبیر الکتانی

۴۔ امام ابو المکارم محمد امین السوید الدمشقی رحمھم اللہ

ان شیوخ حدیث سے درج ذیل شیوخ و اساتذہ کے واسطہ سے اجازتِ حدیث ملی:

۱۔ الشیخ حسین بن احمد العسیر ان

۲۔ الشیخ السید محمد الفاتح بن محمد المکی الکتانی

۳۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمھم اللہ

والد گرامی حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین القادری رحمہ اللہ کے واسطہ سے محمد المکی الکتانی رحمہ اللہ جیسے مسلمہ محدث سے بھی اجازت و سند حدیث حاصل ہوئی۔

شیوخِ لبنان و طرابلس

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو لبنان اور طرابلس کے درج ذیل شیوخ و اساتذہ سے سند و اجازت حدیث ملی ہے:

۱۔ امام یوسف بن اسماعیل النبہانی

۲۔ امام عبد القادر الشلبی الطرابلسی

۳۔ امام حسن عویدان الفتیوری الطرابلسی رحمھم اللہ

ان شیوخ سے مندرجہ ذیل اساتذہ کے واسطہ سے اجازت و سند حدیث ملی ہے:

۱۔ الشیخ حسین بن احمد العسیر ان

۲۔ الشیخ السید محمد الفاتح بن محمد المکی الکتانی

۳۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمھم اللہ

شیوخِ مغرب و شنقیط

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو عالم مغرب کے درج ذیل شیوخ حدیث سے اجازت و سند حدیث ملی ہے:

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن مصطفی ماء العینین الشنقیطی

۲۔ امام محمد حبیب اللہ الشنقیطی

۳۔ امام محمد العربی بن محمد العزوزی الفاسی

۴۔ امام عبد اللہ بن صدیق الغماری المغربی رحمھم اللہ

ان شیوخ سے درج ذیل اساتذہ و شیوخ کے واسطہ سے اجازت و سند حدیث حاصل ہوئی ہے:

۱۔ الشیخ السید علوی بن عباس المالکی المکی

۲۔ الشیخ حسین بن احمد العسیران

۳۔ الشیخ السید محمد الفاتح بن محمد المکی الکتانی

۴۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمھم اللہ

شیوخِ یمن (حضرموت)

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو یمن کے مندرجہ ذیل شیوخ حدیث سے سند و اجازت حدیث ملی ہے۔

۱۔ الشیخ الحبیب حمزہ بن عمر العیدروس الحبشی

۲۔ الشیخ الحبیب علی بن عبدالرحمٰن الحبشی

۳۔ الشیخ عبدالقادر بن احمد السقاف

۴۔ الشیخ عبداللہ بن احمد الحداد

۵۔ الشیخ حسن بن احمد الاہدال الیمانی

۶۔ الشیخ محمد بن یحیٰی الاہدال الیمانی

۷۔ الشیخ اسماعیل الیمانی (صاحبِ نفس الرحمن) رحمھم اللہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو مذکورہ بالا شیوخ سے درج ذیل شیوخ کے واسطہ سے اجازت و سند حدیث ملی ہے:

۱۔ الشیخ السید علوی بن عباس المالکی المکی

۲۔ الشیخ محمد بن علوی المالکی المکی

۳۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمھم اللہ

شیوخِ پاک و ہند

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو ہندوستان اور پاکستان کے درج ذیل شیوخ و اساتذہ سے سند و اجازتِ حدیث ملی ہے:

۱۔ امام الہند الشاہ احمد رضا خان

۲۔ امام ابوالحسنات عبدالحئی بن عبدالحلیم محدث الانصاری لکھنوی

۳۔ امام عبدالباقی بن علی محمد الانصاری الکھنوی المدنی

۴۔ الشیخ عبد الہادی بن علی الانصاری محدث لکھنوی

۵۔ امام محدث المسند مولانا ارشاد حسین رام پوری

۶۔ امام الشیخ امداد اللہ المہاجر المکی

۷۔ محقق الہند امام فضل حق خیر آبادی

۸۔ الشیخ السید دیدار علی شاہ محدث الالوری

۹۔ محدث ہند علامہ محمد انور شاہ کشمیری (صاحبِ فیض الباری)

۱۰۔ محدث ہند علامہ احمد علی سہارن پوری

۱۱۔ الشیخ عبد الشکور المحدث المہاجر المدنی

۱۲۔ الشیخ محمد بدر عالم میرٹھی رحمھم اللہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو مذکورہ بالا مشاہیر سے درج ذیل واسطہ سے سند و اجازتِ حدیث حاصل ہوئی ہے:

۱۔ الشیخ المعمر ضیاء الدین احمد المدنی

۲۔ الشیخ السید عبدالمعبود الجیلانی المدنی (انہوں نے ۱۶۵ سال کی طویل عمر پائی اور وہ براہِ راست حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کے شاگرد تھے)

۳۔ محدث اعظم علامہ سردار احمد قادری

۴۔ الشیخ السید ابوالبرکات محدث الالوری

۵۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہی

۶۔ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمهم الله

www.MinhajBooks.com

حسنِ سراپا

(محمد الیاس اَعظمی)

سیرت کی خوشبو فرد کے علمی مرتبے کا تعین کرنے میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی خوشبو، یہی اندر کی روشنی کردار کی تشکیل، تعمیر اور تکمیل میں توازن قائم رکھتے ہوئے شعور و آگہی کی ٹھوس بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اور تخلیق حسن اسی توازن اور تناسب کے دل آویز امتزاج کا دوسرا نام ہے۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کی زندگی کا مطالعہ کرتے وقت یہ خوشگوار حقیقت قاری پر منکشف ہوتی ہے کہ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ ایک ایسی دلنواز شخصیت کے مالک تھے۔ جو بیک وقت علم وفن کے جمالیاتی اظہار کے منصب پر بھی رونق افروز تھی اور عمر بھر اس عہد ناپرساں کے فرد کی بکھری ہوئی اکائی کی یکجائی کے لئے شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں پر مصروف جہاد رہی۔

سیرت نہ ہو تو عارض و رخسار سب غلط
خوشبو اڑی تو پھول فقط رنگ رہ گیا

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ گوناں گوں خوبیوں کے مالک تھے، میانہ قد، جسم نہ دبلا نہ موٹاپے کی طرف مائل، سفیدی مائل گندمی رنگ، پیشانی کشادہ، چہرہ فراخ، جسم کے خدوخال مضبوط، آنکھیں بڑی بڑی جن میں ذہانت کی چمک چہرے پر غیر معمولی اعتماد، چہرے سے رُعب ٹپکتا۔ آواز میں گرج، تمکنت اور وقار، زیرلب مسکراہٹ، کسی نے حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو قہقہہ لگاتے نہیں دیکھا۔ عموماً سفید رنگ کی شلوار قمیص پہنتے، شیروانی زیب تن کرتے جو گہرے نیلے، بھورے یا سیاہ رنگ کی ہوتی۔ قراقلی ٹوپی زیر استعمال رہتی۔ داڑھی مبارک گھنی مگر مشت بھر سے کم، وفات کے وقت عمر (۵۶ سال) سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ رفتار دھیمی سبک روی کی طرح، گفتگو میں ٹھہراؤ، نرم دم گفتگو،

بات چیت میں ایک وقار سلیقہ اور قرینہ، پیکر جلال و جمال، خوش خلق طبیعت میں تواضع و انکسار، ظرف میں کشادگی، سخاوت میں اپنی مثال ۔ آپ قرض اُٹھا کر بھی غریبوں اور ناداروں کی مدد کرتے، غریب پرور، اپنوں پرائیوں سبھی سے حسن سلوک سے پیش آتے۔ صلہ رحمی آپ کے مزاج کا حصہ تھا۔ خصوصاً رشتہ داروں سے برتاؤ مثالی تھا، صدقہ و خیرات وسائل سے بڑھ کر کرتے، ہر ایک کو اتفاق اور صلح جوئی کا پیغام دیتے۔ غیبت سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بھی غیبت سے اجتناب کی تلقین کرتے۔ حرف شکوہ زبان پر نہ لاتے۔ مصیبت میں کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے، کسی محفل میں بیٹھتے تو ذہنی اور جسمانی دونوں حوالوں سے حاضر رہتے۔ پوری دلچسپی سے لوگوں کی باتیں اور ان کے مسائل سنتے۔ اور کبھی بیزاری اور اُکتاہٹ کا اظہار نہ کرتے۔ ہر شخص سے اس کے مزاج و مذاق کے مطابق گفتگو کرتے، ایک ہی ملاقات میں کسی اجنبی کا احساس اجنبیت ختم ہو جاتا۔ اور وہ یوں محسوس کرتا جیسے حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کو وہ برسوں سے جانتا ہے۔ اپنی علمیت اور شخصیت دوسروں پر مسلط نہ کرتے۔ بلکہ ان سے ملنے والے اپنے اندر ایک اعتماد سا محسوس کرتے۔ پڑوسیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے۔ ان کے دُکھ درد میں شریک ہوتے۔ کئی بیوگان اور غریب گھرانوں کی کفالت کرتے، روپے پیسے جمع کرنے کا انہیں کبھی شوق نہیں رہا۔ بلکہ جو آتا خرچ کر دیتے۔ سفر حجاز پر یا دینی کتب کی خرید پر حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کا ہاتھ بڑا وسیع تھا۔ سادہ غذا استعمال کرتے لیکن نفاست طبیعت میں راسخ تھی۔ آپ نے مہمان نوازی کی روایت کو زندہ و تابندہ رکھا کیونکہ آپ ایک عرصہ حیدر آباد دکن اور لکھنؤ وغیرہ میں اقامت پذیر رہے۔ اس لئے وضع داری طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اکثر پنجابی میں گفتگو فرماتے۔ لیکن اُردو بڑی شستہ بولتے۔ فصیح و بلیغ اُردو، اُردوئے معلیٰ کے لہجے میں، خالص ٹکسالی زبان کہ اہل زبان بھی شک کرتے، علمی وجاہت ایک ایک لفظ سے ٹپکتی، عربی اور فارسی پر بھی عبور حاصل تھا۔ اور انگریزی پر بھی دسترس حاصل تھی۔ کمال کا حافظہ پایا تھا۔ شجر سایہ دار کی طرح شفیق و مہربان۔ مزاح بھی فرماتے لیکن سنجیدگی اور متانت کا عنصر غالب رہتا۔ اپنا کام ہاتھ سے خود کرتے اور اسلامی طرز زندگی کی

جزئیات تک کا خاص خیال رکھتے۔ پردے کی پابندی پر خاص زور دیتے۔ غلط باتوں اور جھوٹ پر بہت ناراض ہوتے۔ اور اس کا برملا اظہار کرتے۔ لیکن فریق مخالف کی معذرت پر فوراً غصہ تھوک بھی دیتے۔ گرہ دل میں باندھ کر نہ رکھتے، اس سے بھی مقصود دوسروں کی اصلاح ہی ہوتی۔ بے پناہ قوت برداشت کے مالک تھے۔ ہمیشہ تحمل اور بردباری سے کام لیتے۔ مشکل حالات میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ بچپن ہی سے طبیعت روحانیت کی طرف مائل تھی۔ کثرت سے عبادت کرتے۔ بڑا اچھا شعری ذوق پایا تھا۔ خود بھی اچھے شاعر تھے۔ مجید امجد، جعفر طاہر اور شیر افضل جعفری آپ کے ہمعصروں میں تھے۔ شیر افضل جعفری مرحوم تو آپ سے مشورہ بھی کیا کرتے تھے۔ ماہر نباض اور بہت اچھے طبیب تھے۔ بے مثال معالج، عظیم محقق، متوکل، فقراء اور اولیاء سے محبت کرنے والے صاحب تقویٰ اور ایک سچے عاشق رسول تھے۔ علامہ اقبالؔ نے کہا تھا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

www.MinhajBooks.com

ایک نادرِ روزگار ہستی سے وابستہ

چند یادیں، چند مشاہدات

(علامہ محمد اشرف سیالوی)

حضرت علامہ ڈاکٹر غلام فرید الدین رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری اور استفادہ کا زیادہ موقع نہ مل سکا، لیکن جو مختصر سا وقت ان کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کے ارشاداتِ عالیہ اور خطابِ دلنواز سننے کا ملا۔ اس نے ہمیشہ کے لئے اُن کا گرویدہ بنا دیا اور ان کی عظمت کے انمٹ نقوش دل و دماغ پر ثبت اور منقش ہو کر رہ گئے۔ پہلی دفعہ ان کا بیان و خطاب ''معراج النبی ﷺ'' کے موضوع پر دربارِ عالیہ سیال شریف میں سننے کا موقع ملا۔ آپ نے دربارِ عالیہ کے علمی ماحول اور بالخصوص حضرت شیخ الاسلام والمسلمین رحمہ اللہ کے حکم اور آپ کی موجودگی میں انتہائی علمی اور برہانی انداز میں خطاب فرمایا۔ اس وقت آپ نے بطور تمہید ''طے زمانی''، ''طے لسانی'' اور ''طے مکانی'' کا ذکر فرمایا۔ ان تینوں اقسام کی وضاحت پیش فرمائی کہ:

۱۔ ''طے لسانی'' یہ ہے کہ قلیل ترین وقت میں اتنا کچھ پڑھا جائے اور زبان سے ادا کر دیا جائے جو عام لوگ دنوں یا گھنٹوں میں بیان کر سکیں۔ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور شریف کی تلاوت پر شانِ اعجازی سے قدرت بخشی گئی تھی کہ آپ سواری پر زین رکھنے کا حکم دیتے اور ادھر زبور شریف کی تلاوت شروع فرماتے۔ ابھی زین پوری نہیں کسی جاتی تھی کہ آپ زبور کو ختم بھی فرما لیتے تھے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تلاوتِ کلام پاک پر بطور کرامت یہی قدرت عطا کی گئی تھی، کہ آپ سوار ہوتے وقت ایک پاؤں رکاب میں رکھتے تھے اور تلاوت کا آغاز فرماتے اور دوسرا قدم مبارک دوسری رکاب میں حسبِ معمول رکھتے تو قرآن مجید کو ختم فرما چکے ہوتے تھے۔

۲۔ طے زمانی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص کے لئے وقت سکڑ کر انتہائی مختصر ہو جائے اور دوسرے کے لئے وہی وقت دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں بلکہ صدیوں اور ہزاروں سالوں پر محیط ہو، جیسے حضرت عزیر ں پر وقت گزرا۔ وہ ایک دن بلکہ اس کا بھی کچھ حصہ تھا اور دوسری طرف بنی اسرائیل پر ایک صدی بیت چکی تھی۔ اور حضرات اصحابِ کہف پر غار میں حالت نیند میں جو وقت گزرا وہ بھی ایک دن بلکہ اس کا بھی کچھ حصہ معلوم ہو رہا تھا جبکہ دوسری طرف تین صدیوں سے بھی زیادہ کی مسافت گردشِ دوراں نے طے کر لی تھی اور قیامت کے دن میدانِ محشر میں سبھی لوگ اکٹھے ہوں گے مگر وہ دن انتہائی سرکش اور نافرمان کفار و مشرکین کے لئے پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ اور ان سے کم درجہ کے کفار و مشرکین کے لئے ہزار سال کا ہوگا لیکن اسی میدان میں موجود اہل ایمان وایقان پر یہ طویل ترین دن چار رکعت نماز کی دیر میں گزر جائے گا۔

۳۔ اور طے مکانی یہ ہے کہ ایک شخص کے حق میں مسافت طویل تر ہو۔ اور اس کے طے کرنے کے لئے طویل زمانہ درکار ہو دوسرا اسے انتہائی قلیل وقت میں طے کر لے جس طرح حضرت شاہ رکن عالم رحمہ اللہ اور حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہما کے متعلق منقول ہے کہ وہ ہر روز عصر کی نماز ملتان شریف اور دہلی شریف سے چل کر مسجد نبوی علٰی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئی مرتبہ شام و فلسطین سے مکہ مکرمہ تک اور پھر مکہ مکرمہ سے واپس گھر تک کا فاصلہ ایک دن میں سواری پر سوار ہو کر طے کیا۔

الغرض ان تین اقسام کا ثبوت وتحقق یقینی ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی یہ تینوں شانیں اس سفر معراج میں ظاہر ہوئیں۔ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس پھر طبقاتِ سمٰوٰت، بعد ازاں عرشِ اعظم پر ہزارہا حجاباتِ عظمت کو عبور کرنا اور واپس تشریف لانا۔ جبکہ بستر ناز ابھی گرم ہو اور سرِ ناز سے ٹکرا کر محوِ جنبش شاخ ابھی اس طرح محوِ رقص ہو جبکہ دوسرے لوگوں کے لئے یہ کروڑہا در کروڑہا سال کی مسافت ہے۔ مگر محبوبِ کریم ﷺ کے

لئے قرآن مجید "سُبۡحَانَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلاً" فرماتا ہے "الیل" بھی نہیں فرمایا ،تاکہ ساری رات سفر میں صرف ہونے کا توہم نہ ہو۔ پھر ہزاروں بلکہ لاکھوں جملے زبانِ قدس سے محفلِ "دَنٰی فَتَدَلّٰی" میں اور خلوت گہ قابَ قوسَین میں ادا ہوئے جو شرعی احکام کے تعلّم اور سلوک و وصول سے متعلق تھے اور اُمت کے لئے التجاؤں اور دعاؤں پر لیکن وقت اس قدر مختصر ہے کہ:

پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے

الحاصل دورانِ خطاب سب پر سناٹا طاری رہا۔ اور ہر فرد آپ کی اس علمی، مدلّل اور مبرہن تقریر میں گویا گم ہو چکا تھا۔ تقریر ختم ہونے پر حضور شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے بہت ہی داد و تحسین فرمائی اور دعوتِ اخلاص سے نوازا۔

ایک علمی لطیفہ

جب حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی قدس سرہٗ العزیز آپ کی تقریر پر آفرین اور صد مرحبا فرما رہے تھے تو آپ کی برادری کے ایک بزرگ حاجی محمد بخش صاحب نے آپ کی توجہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی داڑھی کی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا کہ "تقریر تو ماشاء اللہ بہت خوب ہے کاش کہ ان کے منہ پر داڑھی بھی ہوتی (آپ ان دنوں داڑھی منڈایا کرتے تھے) تو حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا:

"ہم نے داڑھی منڈوں کو شکار کرنے کے لئے یہ ہرن رکھا ہوا ہے، ہرنوں کے شکاریوں کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ہرن کو اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اور جب ہرن شکار کرنے ہوں تو جنگل میں اس کو باندھ دیتے ہیں۔ دوسرے ہرن اس کو دیکھ کر اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں، اتنے میں شکاری جال پھینک کر ان سب کو شکار کر لیتے ہیں تو ہم بھی ان سے یہی کام لے رہے ہیں کہ انہیں دیکھ کر اس فیشن کے لوگ بھی ان کے گرد جمع ہوں اور پھر دامِ عشقِ رسول ﷺ میں گرفتار ہو جائیں اور ان شاء اللہ وہ وقت دور نہیں کہ

باطن کی طرح ظاہر بھی مکمل نمونہ شریعت مطہرہ کا ہوگا اور ’’اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَن یُّحِبُّ مُطِیعٌ‘‘ کا مصداق ہوگا۔‘‘

دوسرا موقع وہ نصیب ہوا جب بندہ تحصیل علم سے فارغ ہو کر سلانوالی میں ایک مدرسہ ’’ضیاء العلوم جامعہ شمسیہ‘‘ کی بنیاد رکھے ہوئے تھا۔ اس وقت آپ کو جمعہ کے دن خطاب کی زحمت دی لیکن جس جمعہ کا مَیں نے عرض کیا تھا آپ اتفاقاً اس سے پہلے جمعہ سمجھ کر پہلے تشریف لائے اور پھر گاڑی بھی لیٹ ہوگئی جمعہ آپ کا بھی رہ گیا اور ہم بھی استفادہ سے محروم رہے لیکن اس دوران کمال اخلاص اور منتہائے شفقت کا یہ عجیب اور عظیم منظر دیکھنا نصیب ہوا کہ روٹی اور چائے وغیرہ تک بھی نہ پی۔ اور ذرا بھر طبیعت پر ملال اور گرانی کا اثر دیکھنے میں نہ آیا۔ فرمایا میں لالیاں سے آیا ہوں اور جانا بھی ادھر ہی ہے۔ اور جھنگ سے سرگودھا جانے والی گاڑی کا لالیاں والی گاڑی سے کراس ہنڈیوالی جنکشن پر نہیں ہوتا۔ لہٰذا تمہیں صرف اتنی تکلیف دیتا ہوں کہ ایک سائیکل سوار آدمی دے دو جو مجھے پیچھے بٹھا کر سلانوالی سے ہنڈیوالی پہنچا دے۔ بندہ نے کرایہ پیش کرنے کی مقدور بھر کوشش کی لیکن آپ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا۔ میں نے عرض کیا آئندہ جلسہ کا کرایہ وصول فرمالیں لیکن فرمایا جلسہ پر آؤں گا لیکن کرایہ نہیں لوں گا۔ بالآخر وقت کے اس عظیم علامہ اور بے مثل خطیب کو ایک سائیکل سوار کے پیچھے بٹھا کر کیا روانہ کیا کہ ہمیشہ کے لئے دل میں بٹھا اور بسا لیا۔ بعد ازاں آپ دارالعلوم کے جلسہ پر تشریف لائے رات کو خطاب فرمایا جو سلانوالی میں خطابات اہل سنت میں ریکارڈ خطاب تھا۔ اور صبح روانہ کرتے وقت بمشکل سلانوالی سے ہنڈیوالی کا ٹکٹ قبول فرمایا اور ہم جیسے نیازمندوں کے لئے خدماتِ اسلام کے لئے اخلاص اور محنت ولگن کا ایک روشن مینار قائم فرما گئے۔

خطاب سلانوالی

آپ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے خداداد منصبِ رسالت کی حقیقت و حیثیت اور آپ کے اختیارات کے موضوع پر بحث فرمائی۔ سب سے پہلے اس امر کی وضاحت

فرمائی کہ رسول محض چٹھی رساں اور ’’ہرکارہ‘‘ نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے، اور حق باری تعالیٰ اور حق رسول ﷺ باہم متلازم ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی بیعت کو اپنی بیعت، آپ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ، آپ کے عصیان کو اپنا عصیان، آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت، آپ کی رضا مندی کو اپنی رضامندی، آپ کی محبت کو اپنی محبت اور آپ کی ایذاء اور عداوت کو اپنی ایذا اور عداوت قرار دیا ہے۔ پھر بطور جدل اور تسکین اہل خلاف کے علامہ ابنِ تیمیہ کی معروفِ زمانہ کتاب ’’الصارم المسلول‘‘ کی یہ عبارت زبانی بڑی روانی کے ساتھ پڑھی:

في هذا وغيره بيان لتلازم الحقين وإن جهة حرمة أهل تعالى ورسوله ﷺ جهة واحدة فمن آذى الرسول فقد آذى الله ومن أطاعه فقد أطاع الله لأن الأمة لايصلون مابينهم وبين ربهم، ألا بواسطة الرسول ﷺ ليس لأحد منهم طريق غيره ولا سبب سواه وقد أقامه الله مقام نفسه في أمره و نهيه وإخباره وبيانه فلا يجوز أن يفرق بين الله ورسوله ﷺ في شيء من هذه الأمور.

’’یعنی ان ذکر کردہ آیات میں اور ان کے علاوہ دوسری آیات میں حق اللہ تعالیٰ اور حق الرسول ﷺ کے درمیان تلازم کا بیان ہے۔ اور اس امر کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ادب و احترام اور نبی مکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر کی جہت ایک ہے لہٰذا جس نے رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جس نے آپ کی اطاعت کی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ کیونکہ امت اگر اپنے رب تبارک وتعالیٰ تک رسائی حاصل کرنا چاہے تو اسے توسط اور توسل رسول ﷺ کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ ان میں

سے کسی کے لئے بھی بارگاہِ خداوندی تک نہ کوئی دوسرا راستہ ہے اور نہ سبب
ووسیلہ اور کیونکر ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کو اپنی ذات کا قائم مقام بنا دیا ہے
اپنے امر و نہی میں اور اخبار و بیان میں، پس یہ جائز ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور
اس کے رسول مقبول ﷺ میں ان امور میں سے کسی میں تفریق کی جائے۔‘‘

اس حیثیت و منصب اور مقام و مرتبہ کو واضح کرنے کے بعد آپ نے اُمور کی تقسیم فرمائی کہ وہ دو قسم کے ہیں۔ شرعیہ اور تکوینیہ، اور سید عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے اُمور میں با اختیار بنایا ہے۔ حضرت ابو بردہ بن دینار رضی اللہ عنہ کے لئے چھ ماہ کے بکرے کو بطور قربانی جائز فرمانا، حالانکہ دوسرے کسی کے لئے روا نہیں۔ حضرت ابن عوفؓ وغیرہ کے لئے ریشم اور حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ کے لئے سونے کے کنگن، حضرت اُمّ عطیہ رضي اللہ عنہا کے لئے نوحہ وغیرہ وغیرہ اُمورِ تشریعیہ میں آنحضرت ﷺ کے باذن اللہ مختار ہونے کی دلیلیں ہیں۔ اور کھاری کنویں لعابِ دہن سے میٹھا کرنے۔ چار آدمی کی روٹی اور سالن سینکڑوں پر پورا کرنا، اپنی جگہ سے زخمی ہو کر نکل جانے والے آنکھ ڈھیلے کو لعابِ دہن لگا کر اور اپنی جگہ پر رکھ کو نورانی بنا دینا بلکہ پہلے سے بڑھا دینا وغیرہ وغیرہ اُمورِ تکوینیہ میں با اختیار ہونے کے دلائل ہیں۔ بہرکیف آیات و احادیث سے بے شمار دلائل بیان فرمائے۔ لیکن عام خطباء اور مقررین کے اسلوب و انداز سے بالکل منفرد انداز یہ تھا کہ آپ صرف اپنے مفید مدعا دلائل و براہین کے بیان پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ اس پر وارد ہونے والے اشکالات و اعتراضات کا بھی خود ہی ذکر فرماتے اور پھر ایسا جواب دیتے جو موجبِ اطمینان اور مورثِ ایقان ہوتا۔

عبداللہ بن ابی جو منافقین کا رئیس اور مقتداء تھا اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے پر اور بخشش مترتب نہ ہو سکنے پر بحث کرتے ہوئے آپ نے یہ حکمت بیان فرمائی کہ آپ اسے بخشوانے کے لئے نماز نہیں پڑھ رہے تھے بلکہ اس حسنِ سلوک اور اظہارِ مروت (جو ابھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرخص تھا) کے ذریعے آپ اس کی قوم کے ہزار آدمی کو کفر و نفاق

سے بچانے کے لئے سعی فرما رہے تھے۔ چنانچہ آپ کی شانِ رحیمی و کریمی اور عفو و درگزر کو دیکھ کر وہ مخلص مسلمان بن جاتے جو رحمتِ مجسم ﷺ کے لئے بہرحال ناقابلِ برداشت تھا اور اللہ علیم و حکیم نے بھی اس حکمت کے پیشِ نظر پہلے یہ آیت کریمہ نازل نہ فرمائی۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا......" (التوبۃ، ۹: ۸۴) جب وہ مصلحت پوری ہو چکی تبھی اس آیت کو نازل فرمایا۔

آپ نے ان جوابات کے ضمن میں یہ جواب بھی ذکر فرمایا تھا کہ نماز جنازہ کی دعا ہے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا ...... جو اپنے ہیں یہ ساری دعا ہی ان کے لئے تھی جو منافق اور کافر تھے وحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وغیرہ میں داخل ہی نہیں تھے۔ لہٰذا نہ ان کے لئے دعا فرمائی گئی اور نہ ہی ان کا جہنم واصل ہونا قبولیتِ دعا اور اختیارِ مصطفےٰ ﷺ پر اعتراض بن سکا اور جس طرح وہ اسلام کا اظہار کرتے تھے شریعت میں بھی محدود وقت تک ان کے ساتھ ظاہری مروّت اور رواداری کو روا رکھا گیا۔ ادھر ان کے نفاق کا پردہ چاک کر دیا گیا اور ادھر اس ظاہری مروّت اور رواداری کے اظہار سے بھی منع کر دیا گیا۔ الغرض خطاب میں اس قدر جامعیت اور اثباتِ مدعا کا یہ انداز بالکل منفرد اور جُداگانہ تھا اور دونوں پہلو، ان کے دلائل پھر ان میں تطبیق و توافق نے حاضرین کو بہت زیادہ متاثر کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہمارے علماء کرام اس انداز کو اپنائیں تو عام اہل اسلام کا اس میں بہت ہی بھلا ہوگا اور شورشیں بڑھانے والے طالع آزماؤں کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہے گی۔ ان مختصر سی ملاقاتوں میں انہیں جتنا دیکھا، جتنا سمجھا اور جس قدر پایا وہ بندہ کے لئے زندگی بھر کا سرمایہ ہے۔ اور سروسامانِ رشد و رہنمائی ہے اور مینارِ نور۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند تر کرے اور ہمیں ایسے اکابر کے نقشِ قدم پر چلائے۔ (آمین)

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کا علمی مقام

(علامہ مفتی محمد خان قادری)

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ فرید ملت حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری کی ہمہ صفت شخصیت کی عکاسی کے لئے ان کے فرزند ارجمند قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی ذات ہی کافی ہے۔ پروفیسر صاحب کے آئینہ مظہریت میں فرید ملت کے علمی مقام کا عکس بتمام و کمال دیکھا جا سکتا ہے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب کے علو مرتبت علمی مقام کا احاطہ الفاظ میں ممکن نہیں۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف کو اپنی کم علمی کا مکمل احساس ہے۔ تاہم حصول برکت کے لئے چند الفاظ پیش خدمت ہیں۔ کسی بھی علمی شخصیت کے مقام کے تعین کے لئے درج ذیل حوالوں سے گفتگو کی جا سکتی ہے۔ مثلاً اساتذہ کرام جن سے اکتسابِ فیض کیا، علوم و فنون، اندازِ تدریس، اسلوبِ تربیت و وُسعت ذوق مطالعہ، قوتِ حافظہ وقوتِ استدلال وغیرہ۔

۱۔ اساتذہ

کسی علمی شخصیت کا مقام اس لحاظ سے بھی متعین ہوتا ہے کہ اس نے کن کن ماہرین علم وفن سے استفادہ کیا ہے۔ استاد فن میں جتنا ماہر ہوگا اس کی جھلک اس کے تلامذہ میں موجود ہوگی۔ اس حوالے سے جب ہم قبلہ ڈاکٹر صاحب کے اساتذہ پر نظر ڈالتے ہیں وہ اپنے وقت کے ممتاز علماء، اطباء اور شخصیات دکھائی دیتی ہیں۔ ہم ان کے اسماء گرامی اور مختصر تعارف پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ یہ تمام شخصیات محتاج تعارف نہیں۔

(ا) حضرت مولانا غلام فرید

یہ جھنگ کے رہنے والے تھے اور درسِ نظامی کے فاضل اساتذہ میں سے تھے۔ حضرت فرید ملت نے درس نظامی کی ابتدائی کتب صرف، نحو اور منطق کی تعلیم انہیں سے حاصل کی۔

(۲) حضرت مولانا محمد یوسف سیالکوٹی

یہ سیالکوٹ کی معروف علمی شخصیت تھے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے ان سے درسیات کی ابتدائی کتب پڑھی تھیں۔

(۳) مولانا عبدالحی فرنگی محلی

(۴) مولانا بدر عالم میرٹھی

آپ کا شمار معتدل علماء میں ہوتا ہے۔ آپ علامہ سید انور شاہ کاشمیری کے مقبول ترین شاگرد تھے۔ فیض الباری شرح بخاری انہیں کی مرتب کردہ ہے۔ حدیث میں اِن کی تصانیف ہیں مثلاً ترجمان السنہ (تین جلدیں)، جواہر الحکم (دو جلدیں) بہت مشہور ہیں۔

(۵) مولانا عبدالشکور مہاجر مدنی

مولانا عبدالشکور مدنی علم حدیث میں بڑے ہی ماہر تھے۔ آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے حدیث کی تعلیم ان سے حاصل کی تھی۔

(۶) شیخ علوی بن عباس المالکی

یہ بزرگ مراکش کے رہنے والے تھے۔ ہجرت کر کے مکہ میں آگئے تھے۔ حرم کعبہ میں بیٹھتے تھے۔ اطراف واکناف سے آئے ہوئے لوگ ان سے استفادہ کرتے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے آپ سے بھی حدیث کے اسباق پڑھے۔ پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے والد گرامی کے ساتھ حرم کعبہ میں ان بزرگوں کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تھا۔ وہاں مجھے والد گرامی نے بتایا کہ میں نے ان سے حدیث کی تعلیم حاصل کی ہے۔

(۷) شیخ محمد الکتانی ۔ رئیس علماء شام

یہ شیخ تصوف کے ماہر تھے۔قبلہ ڈاکٹر صاحب نے ان سے فصوص الحکم کا درس لیا تھا۔

(۷) شیخ الحدیث مولانا محمد سردار احمد قادری

آپ کی شخصیت سرزمین پاکستان کے لئے قابل فخر تھی۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا جا سکتا ہے۔''خاک پنجاب از دم تو زندہ گشت۔''

آج پاکستان میں جہاں جہاں عشق و محبت رسول ﷺ اور حدیث رسول ﷺ کے گن گائے جا رہے ہیں۔ اس میں آپ کی خدمات کا نمایاں حصہ ہے۔ آپ سے بھی ڈاکٹر صاحب نے بعض کتب دوبارہ پڑھی ہیں۔ مثلاً ''شرح عقائد، خیالی، بخاری شریف'' یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ عصر کے بعد پڑھنے پڑھانے سے منع کرتے تھے مگر قبلہ ڈاکٹر صاحب کے لئے عصر کے بعد وقت مقرر کر دیتے تھے اور اسی میں بعض اسباق پڑھاتے۔

(۸) حضرت ابوالبرکات سید احمد قادری

یہ بھی ایک علمی شخصیت تھیں۔ جس کے خاندان نے نصف صدی سے زائد اسلام کی خدمت کی۔ ان کے نام سے ہر ذی شعور واقف ہے۔قبلہ ڈاکٹر صاحب نے ان سے مختلف اوقات میں استفادہ کیا۔

(۹) حکیم عبدالوہاب نابینا انصاری

(۱۰) شفاء الملک حکیم عبدالحلیم (رحمهم الله أجمعين)

۲۔علوم و فنون

اس دور میں خصوصاً پاکستان بننے سے پہلے علماء صرف قدیم علوم سے واقف

ہوتے تھے۔ دیگر علوم کو ناپسند کیا جاتا تھا۔ خاص طور پر انگریز کی مخالفت کی وجہ سے انگریزی پڑھنا حرام تھا۔ اس کے بارے میں علماء نے فتویٰ دے رکھا تھا کہ جو شخص انگریزی پڑھے گا وہ اسلام کا وفادار نہیں۔ یہ فتویٰ اس دور کا تقاضا تھا یا نہیں۔ ہم اس مسئلہ پر اس وقت گفتگو نہیں کر رہے۔ لیکن جب یہ تقاضا نہ رہا تب بھی علماء نے جدید علوم کے ساتھ بے اعتنائی ہی برتی۔ ہم خود جب دینی مدارس میں پڑھا کرتے تھے تو اکثر علماء یہی کہتے تھے کہ انگریزی نہ سیکھنا۔ جس کی وجہ سے علماء معاشرے کا ساتھ نہ دے سکے۔ جو حال ہوا وہ ہر ایک کے سامنے ہے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب بھی اگرچہ قدیم روش کے آدمی تھے۔ مگر انہوں نے حالات پر نظر رکھتے ہوئے جدید علوم میں دسترس حاصل کی۔ جہاں آپ نے جدید علوم و فنون سیکھے وہاں آپ نے انگریزی کو بھی سیکھا۔ اور پھر اپنے صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تربیت بھی اسی نہج پر کی کہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم بھی دلوائی قبلہ ڈاکٹر صاحب کو جن علوم وفنون میں ماہرانہ دسترس تھی وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔صرف ۲۔نحو ۳۔منطق ۴۔فلسفہ ۵۔اصول فقہ ۶۔فقہ ۷۔معانی ۸۔علم عروض ۹۔عربی ادب ۱۰۔فارسی ادب ۱۱۔طب ۱۲۔حدیث ۱۳۔ اُصول حدیث ۱۴۔اُصول تفسیر ۱۵۔تفسیر ۱۶۔تصوف۔

۳۔انداز تدریس

آپ عملی زندگی میں شعبہ طب کے ساتھ متعلق ہوگئے تھے۔ مگر اس کے ساتھ آپ نے درسی کتب کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ جہاں بھی ہوتے دو تین گھنٹے ان علوم وفنون کے لئے وقف کرتے تھے۔ ارد گرد سے تشنگان علم اور آپ سے استفادہ کرنے کے لئے آنے والے اکثر منتہی طلبہ ہوتے تھے۔ مشکوٰۃ المصابیح، جلالین، بخاری شریف جیسے اسباق اکثر پڑھاتے تھے۔

۴۔ مشہور تلامذہ

آپ سے استفادہ کرنے والے چند تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری ۔آپ نے درسیات کی تعلیم اپنے والدِ گرامی حضرت فرید ملت رحمہ اللہ اور استاذ العلماء مولانا عبدالرشید رضوی سے حاصل کی۔

(۲) مولانا حکیم نور محمد ۔ ان کا تعلق اہل تشیع سے تھا مگر قبلہ ڈاکٹر صاحب کی صحبت کی وجہ سے شیعیت سے توبہ کر لی اور آپ کے سامنے زانوتلمذ تہ کئے۔

(۳) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب

(۴) مولانا سید سردار احمد شاہ صاحب

(۵) علامہ مولانا قادر بخش صاحب

(۶) مولانا سلطان محمود صاحب

۵۔ لائبریری

ایک عالم کے لئے کتابیں ہتھیار کا درجہ رکھتی ہیں، ان کے بغیر عالم بے اسلحہ سپاہی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فارغ ہونے کے بعد اگرچہ باقاعدہ درس و تدریس کا شغل نہیں رکھا مگر ان کے ذوق مطالعہ کی داد دینا پڑتی ہے کہ انہوں نے تمام دنیوی اُمور میں مصروفیات کے باوجود کتب کے ساتھ تعلق قائم رکھا۔ آپ ہر سفر میں اچھی اچھی کتابیں خرید کر لاتے تھے۔ آپ کی لائبریری میں مذکورہ ہر فن پر سینکڑوں کتابیں تھیں۔ جو بعد میں وراثتاً حضرت شیخ الاسلام کو ملیں ۔ اور آپ نے ادارہ منہاج القرآن کے لئے وقف کر دیں جو آج اس عظیم لائبریری کی زینت ہیں۔

۶۔ ذوق مطالعہ

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجھہ الکریم کا قول ہے ’’العلم یزداد بالتکرار‘‘ علم تکرار سے بڑھتا ہے۔ تکرار کی صورتوں میں سے ایک مطالعہ بھی ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ مطالعہ کے بغیر وسعت نظر پیدا نہیں ہوتی۔ حضرت فرید ملت رحمہ اللہ تمام مصروفیات کے باوجود مطالعہ جاری رکھتے۔ ہر روز ان کی چارپائی یا نشست کے ارد گرد چالیس پچاس کتب موجود رہتیں۔ مسلسل پانچ پانچ گھنٹے ورق گردانی کرتے رہتے۔ قلم ہاتھ میں رکھتے جہاں کہیں اہم نکتہ اور دلیل میسر آتی، اسے کتاب کی ابتداء میں نوٹ فرما لیتے۔ اور صفحہ بھی لکھ دیتے۔ گویا ان کے مطالعہ میں نظم بھی قابل دید تھا۔ بعض کتب پر ابتداء میں دیئے ہوئے نوٹ کتاب کی اپنی فہرست سے زیادہ ہیں۔ خصوصاً بخاری شریف اور جواہر البحار۔ ہر شخص آج بھی ان کے مطالعہ میں آنے والی کتب کا مشاہدہ کر سکتا ہے کہ وہ کتنی گہرائی و گیرائی کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کرتے تھے۔ کتاب کا ہر گوشہ ہر سطر ہر لفظ ان کے سامنے ہوتا۔ ان کے مطالعہ میں اکثر آنے والی کتب وہ ہیں جن کا موضوع فضائل و شمائل رسول ﷺ ہے۔ خصوصاً امام شعرانی، امام نبہانی اور ابن القیم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ اس کے بعد تصوف کے ساتھ انہیں خصوصی شغف تھا۔ تصوف کی کتابوں میں سے سب سے زیادہ لگاؤ مثنوی کے ساتھ تھا۔ خصوصاً آخری عمر میں سوتے جاگتے مثنوی ان کے ساتھ ہوتی۔ ویسے تو دوران مطالعہ سامنے آنے والے سینکڑوں مسائل پر ان کے دیئے ہوئے حواشی اور نوٹ ہیں مگر ان عبارات پر جن میں حضور ﷺ کی فضیلت وعظمت کا بیان ہے ان کا نشان ضرور موجود ہے۔

www.MinhajBooks.com

ذاتی تجربہ

۸۵ء کی بات ہے کہ تفسیر مظہری کا مطالعہ کرتے ہوئے سورۂ نور میں مَیں نے پڑھا کہ سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا جب حضور علیہ السلام کو لے کر مکہ سے روانہ ہونے لگیں تو

انہوں نے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ جب حضور ﷺ کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ پہنچیں تو جی چاہا کہ حجر اسود کو بوسہ دیں۔ حجر اسود خود اپنی جگہ سے حرکت کر کے آگے بڑھا اور اس نے حضور ﷺ کے چہرہ اقدس کے بوسے لینے شروع کر دیئے۔ یہ بات میری نظر میں پہلی مرتبہ گزری تھی۔ قبلہ شیخ الاسلام میرے ہاں شادمان تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ تفسیر مظہری میں حضور علیہ السلام کی یہ فضیلت درج ہے۔ آپ بھی خوش ہوئے اور فرمایا میری نظر سے پہلے یہ نہیں گزرا۔ اسی وقت میرے ذہن میں آیا کہ ڈاکٹر صاحب کے زیر مطالعہ آنے والا تفسیر مظہری کا نسخہ دیکھا جائے۔ کیا ان کے مطالعہ میں یہ بات آئی تھی یا نہیں؟ جب میں نے لائبریری میں جا کر تفسیر مظہری کی وہ جلد اور صفحہ نکالا تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے قلم سے وہاں حوالہ لگایا ہوا تھا۔

۷۔ علمی مجالس میں آپ کا مقام

قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے علمی مقام کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کا جن جن مقامات واجتماعات میں جانا ہوتا تھا۔ اکثر ان میں آپ ہی کا خطاب ہوتا، پھر آخری خطاب آپ کا ہوتا۔ ہم یہاں صرف دو واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

سیال شریف

سیال شریف میں شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین رحمہ اللہ کی صدارت میں جو عرس پاک کی تقریب ہوتی تھی۔ اس میں ملک کے گوشے گوشے سے مشائخ اور جید علماء شریک ہوتے۔ خصوصاً آپ کے خلفاء گولڑہ شریف، جلالپور شریف، بھیرہ شریف۔ اس کے علاوہ ہزاروں علماء و سامعین بھی موجود ہوتے۔ جب مجلس اپنے عروج پر پہنچتی تو خواجہ صاحب قدس سرہٗ العزیز قبلہ ڈاکٹر صاحب کو خطاب کے لئے حکم دیتے۔ آپ کا خطاب آخری ہوتا بعض اوقات صرف آپ ہی کا خطاب ہوتا۔ اس کے بعد خواجہ صاحب کلمات تحسین فرماتے

والد کے ساتھ بیٹے کا خطاب

ایک موقع پر قبلہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ان کے صاحبزادے محمد طاہر بھی تھے۔ خواجہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے فرمایا کہ کیا آپ کا بیٹا بھی خطاب کرے گا؟ آپ نے عرض کیا کہ حضرت کا جو حکم ہو؟ آپ نے فرمایا کہ اس دفعہ اپنے بیٹے کا خطاب بھی ہمیں سناؤ۔ آپ کے صاحبزادے نے شہادت کے موضوع پر خطاب کیا اس جلسہ کی روئیداد سیال شریف سے جاری کردہ رپورٹ میں شائع ہوئی جو من وعن قارئین کے ذوق کے لئے نقل کی جاتی ہے:

> ''جناب محمد طاہر صاحب قادری نے (جو کہ ڈاکٹر غلام فرید الدین صاحب جھنگوی کے صاحبزادے ہیں) فلسفۂ شہادت پر بڑے پیارے انداز میں تقریر کی۔ سامعین بہت خوش ہوئے اور جناب صدرِ دارالعلوم نے تحسین کی۔ اور ارشاد فرمایا کہ یہ عزیز ایک دن اہل علوم میں نمایاں مقام حاصل کرے گا۔''

(روئیداد دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف، بابت سال ۱۹۶۷/ ۶۸ء)

ڈاکٹر صاحب قلندر ہیں

چونکہ ان دنوں ڈاکٹر صاحب نے داڑھی نہیں رکھی تھی بعض لوگوں نے خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ ان کی داڑھی نہیں ہے۔ ہزاروں مشائخ اور علماء کی موجودگی میں آپ خطاب کا حکم دیتے ہیں۔ مناسب معلوم نہیں ہوتا آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ٹھیک ہے ان کی داڑھی نہیں ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب قلندر ہیں اگر کوئی صاحب نظر ہو تو اسے ان کے اندر داڑھی بھی نظر آئے۔

جامعہ قطبیہ کا سالانہ اجتماع

حضرت العلام مولانا عبدالرشید رضوی کے والد گرامی حضرت مولانا قطب الدین

رحمہ اللہ نے جھنگ کے قریب ایک دیہات میں تشنگان علوم کے لئے ایک ادارہ قائم کیا ہوا تھا۔ جو آج کل آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرشید رضوی کے زیرانتظام قائم ہے۔

اس ادارے میں ملک کے اطراف واکناف سے طلبہ تعلیم حاصل کرتے۔ جب اس جامعہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوتا تو اس کی مختلف نشستیں ہوتیں، مگر آخری نشست کی صدارت حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ فرماتے۔ اس آخری نشست میں بھی سینکڑوں علماء موجود ہوتے۔ اور اس میں بھی قبلہ ڈاکٹر صاحب کا خطاب ہوتا۔

دیگر علماء کی موجودگی میں آپ کی طرف رجوع

علماء و فضلاء کے اجتماع میں ڈاکٹر صاحب موجود ہوتے۔ اگر وہاں کوئی شرعی مسئلہ درپیش ہوتا مثلاً کسی نے سوال کر دیا یا چٹ بھیج دی تو اس وقت تمام علماء آپ کی طرف رجوع کرتے۔ آپ کا انتخاب کرتے اور قبلہ ڈاکٹر صاحب فی الفور متعدد حوالہ جات سے اس کا جواب ارشاد فرماتے۔

۸۔ علمی نشستیں

حدیث میں آیا ہے کہ انسان اپنے ساتھیوں سے پہچانا جاتا ہے کہ وہ کیسا ہے؟ یہاں ہم ان اکابر مشائخ اور علماء کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا آپ کے پاس آنا جانا رہتا اور ان کے ساتھ علمی نشستیں ہوتیں۔

۱۔ شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ آپ جب بھی جھنگ تشریف لاتے تو ڈاکٹر صاحب کے ہاں ضرور آتے۔

۲۔ حضرت غزالی زماں سید احمد سعید کاظمی

۳۔ حضرت العلام مولانا قطب الدین

۴۔ حضرت علامہ مولانا عبدالغفور ہزاروی

۵۔ حضرت صاحبزادہ فیض الحسن آلو مہار شریف

۶۔ مناظر اہل سنت مولانا محمد عمر اچھروی

۷۔ حضرت العلام مولانا عبدالرشید رضوی

۸۔ حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی

۹۔ حضرت خواجہ فخر الدین سیالوی رحمهم الله

یوں تو وقتاً فوقتاً مختلف بزرگوں کے ساتھ آپ کی روحانی اور علمی نشستیں ہوتی رہتی تھیں ہم یہاں چند ایک کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

(۱) مسئلہ تکفیر یزید

حضرت علامہ احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ مسئلہ تکفیر یزید میں خاموشی کے قائل تھے۔ محترم ڈاکٹر صاحب یزید کی تکفیر کرتے تھے۔

ایک دفعہ ان دونوں بزرگوں کی اس مسئلہ پر بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو ہوئی۔ یہ گفتگو تقریباً تین گھنٹے جاری رہی۔ آپ نے حضرت کاظمی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں تکفیر یزید پر کتب عقائد، تفاسیر اور شروحات حدیث میں سے حوالہ جات پیش کیے اور حضرت کے علمی اعتراضات کے جوابات بھی دیے۔ اس گفتگو کے اختتام پر حضرت کاظمی رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ”ڈاکٹر صاحب آپ نے جو حوالہ جات بیان کئے ہیں ان میں سے بعض میری نظر سے پہلے نہیں گزرے میں یہ کتابیں لے جاتا ہوں ان پر غور کروں گا۔“

(۲) اجرام فلکیہ

حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ متصوف ہونے کے ساتھ ایک فلسفی عالم تھے۔ ان کی تقریر و گفتگو میں جہاں تصوف کی چاشنی ہوتی تھی وہاں منطق و فلسفہ کے مسائل بھی زیر بحث آتے۔ جب علامہ مرحوم ڈاکٹر صاحب کے ہاں آتے تو اکثر و بیشتر مسائل تصوف پر گفتگو ہوتی تھی۔ ایک دفعہ فلکیات کے موضوع پر دونوں بزرگوں کے درمیان گفتگو ہوئی یہ گفتگو تقریباً اڑھائی گھنٹے جاری رہی۔

استاذ العلماء مولانا عبدالرشید رضوی دورانِ مطالعہ و تدریس جب کوئی اُلجھن محسوس کرتے تو قبلہ ڈاکٹر صاحب کے ہاں تشریف لا کر ان کی رائے طلب کرتے بعض اوقات کافی دیر تک بحث و تمحیص بھی ہوتی۔

۹۔ علمی مباحث

ہمارے ہاں اب مناظرہ نہیں رہا بلکہ مجادلہ کا پہلو غالب ہو چکا ہے۔ چند سال پہلے تک ہر مسلک کے علماء کے درمیان باہم مختلف فیہ مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ یہ ایک دوسرے کے نکتہ ہائے نظر کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے، تاکہ ہر ایک کے دلائل سامنے آئیں اور اس کے بعد ہر ذی فہم ان دلائل کی روشنی میں اپنے ذہن کو قائل کر سکے۔

اس طرح کے اختلاف و مناظرہ سے مختلف مسائل پر تحقیقات ہوتی ہیں۔ جس سے امت کو آسانی کی راہ ملتی ہے۔ صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک امت میں ایسا اختلاف رہا ہے اور یہ اختلاف ’’اختلاف امتی رحمۃ‘‘ کا مصداق تھا۔ اب بھی اگر اسی طرح کا اختلاف کوئی شخص کرتا ہے تو خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ لیکن لعن طعن اور جبر کا سلسلہ اختلاف نہیں بلکہ مخالفت ہے جو اسلام میں ہرگز پسند نہیں۔ ڈاکٹر صاحب چونکہ صوفی مزاج تھے اس لئے مناظروں سے دور رہتے۔ لیکن جب کہیں آپ اس کا فائدہ محسوس کرتے وہاں ضرور شریک ہوا کرتے۔

مرزائی علماء کی توبہ

مشہور پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام کے والد مولوی محمد حسین ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز جھنگ اور ان کے تایا مولوی غلام حسین ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز دونوں مرزائی تھے۔ ان کا شمار اس وقت کے علماء مرزائیت میں ہوتا تھا۔ ان کی قبلہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات تھی ان دونوں علماء کا آپ سے ایک مرتبہ مناظرہ ہوا۔ موضوع یہ تھا کہ کیا حضور ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی آ سکتا ہے یا نہیں؟ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے تین گھنٹے کے مباحثے میں ان دونوں کو یہ بات ماننے پر مجبور کر دیا کہ واقعتاً کتاب وسنت کی روشنی میں حضور علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ ہم اپنے سابقہ عقیدے سے توبہ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر احسان صابری قریشی اس مناظرے کے روئیداد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ ''ایک بار جھنگ شہر میں ڈاکٹر فرید الدین قادری کا مناظرہ ان دونوں بھائیوں سے ''احمدیت'' کے موضوع پر ہوا۔ میں اس مناظرے میں موجود تھا۔ اور پروفیسر صوفی ضیاء الحق بھی موجود تھے۔ تین دن مناظرہ جاری رہا۔ آخر کار یہ دونوں بھائی اس مسئلہ کو مان گئے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی ہندوستان میں تو کیا اس دنیا میں بھی نہیں آ سکتا۔ اس بات پر مرزائیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اسے ڈاکٹر فرید الدین قادری کی کھلی کرامت کہا گیا۔ بعد میں اگرچہ یہ دونوں بھائی پھر مرزائی ہوگئے تھے۔

اگر ڈاکٹر صاحب نہ آتے تو ہم لوگ مرزائی ہو جاتے

قبلہ ڈاکٹر صاحب چونکہ لالیاں میں کچھ عرصہ رہے ہیں وہاں کے لوگ اب بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ہمارے ہاں ڈاکٹر صاحب نہ آتے تو ہم تمام ربوہ قریب ہونے کی وجہ سے مرزائی ہو چکے ہوتے لیکن یہ آپ کی آمد کی برکت تھی کہ لوگوں کو مرزائیت سے نفرت ہوگئی۔

۱۰۔ علماء کا استفادہ

جیسا کہ آپ کی تدریس کے ضمن میں بیان ہوا ہے اکثر طلبہ آپ کی خدمت میں حصول علم کے لئے آتے تھے لیکن یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ بعض بڑے بڑے صاحب فن مدرسین بھی آپ کی خدمت میں حصول فیض کے لئے آتے۔

مولانا احمد بخش ضیائی فن نحو میں مسلمہ عالم تھے ان کا طریقہ تھا کہ دوران تدریس ومطالعہ جو نحوی پیچیدگیاں اور اُلجھنیں پیش آتیں بیس پچیس دن کے بعد قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں آجاتے۔ ڈاکٹر صاحب سے ایک ایک کر کے بیان کرتے جاتے اور ڈاکٹر صاحب انہیں بڑے ہی احسن انداز میں حل کرتے جاتے یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہتا۔

۱۱۔ قوتِ حافظہ و ذہانت

ایک عالم کے لئے جہاں دیگر خصوصیات ضروری ہیں وہاں اس کی قوت حافظہ غیر معمولی ہونا بنیادی چیز ہے۔ڈاکٹر صاحب کی قوت حافظہ کا اظہار دوران خطاب و تدریس اکثر مشاہدہ میں آتا۔ کیونکہ کسی بھی موضوع پر جب گفتگو کرتے تو اس موضوع سے متعلقہ کتب ان کے صفحات و سطور کا اور حواشی کا تذکرہ کرتے۔اور اس کے بعد اس کی طویل عبارات جو آپ کو پانی کی طرح یاد تھیں صحت کے ساتھ بلاتوقف پڑھ دیتے۔

ہم یہاں آپ کی قوت حافظہ کے بارے میں قبلہ ڈاکٹر صاحب کا ایک قول نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری سے بیان کیا: ’’طالب علمی اور بعد کے ایام میں میرے حافظہ کا عالم یہ تھا کہ میں اگر پانچ صد صفحات پر مشتمل کتاب کا مطالعہ کر لیتا تو پندرہ سال بیت جانے کے باوجود مجھے اس کی جلد صفحات سطریں اور عبارات یاد رہتی تھیں۔‘‘

بنیادی بات یہ ہے کہ جو شخص جتنا اپنے آپ کو تقویٰ و طہارت، زہد و ورع اور عشق رسول ﷺ سے مزین کر لیتا ہے اسی قدر اسے یہ دولت شرح صدر کی صورت میں نصیب ہو جاتی ہے وہ کتاب کا محتاج نہیں رہتا۔ بلکہ کتابیں اس کی محتاج ہو جاتی ہیں۔

قبلہ ڈاکٹر صاحب چونکہ مجسم عشق رسول ﷺ تھے۔ اس لئے ان کو اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کی دولت سے بہرور کیا تھا۔آپ کی قوت حافظہ و ذہانت کا ایک عملی ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ درسی کتب جن کا مطالعہ کئے بغیر بڑے بڑے مدرسین بھی نہیں پڑھا سکتے۔ آپ مطالعہ کئے بغیر پڑھا دیتے اور پڑھنے والا طالب علم کوئی فرق محسوس نہیں کرتا تھا کیونکہ آپ تمام تقاضے پورے کر دیتے تھے۔

پروفیسر صاحب اِس سلسلے میں بیان کرتے ہیں کہ والد گرامی کا معمول یہ تھا کہ آپ رات پچھلے پہر دو اڑھائی بجے اُٹھ کر نماز تہجد ادا کرتے۔ درود شریف، قصیدہ بردہ شریف ،قصیدہ غوثیہ پڑھتے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں طویل دعائیں کرتے یہ سلسلہ اشراق تک جاری رہتا۔اس کے بعد ناشتہ سے فارغ ہوکر ہسپتال میں اپنی ذمہ داری نبھاتے۔ ابتدائی وقت میں چونکہ مریض زیادہ ہوتے تھے لہٰذا آپ ساڑھے گیارہ بجے تک مریضوں کی خدمت کرتے اس کے بعد جو مریض آتے آپ کی راہنمائی میں دیگر عملہ ان کی خدمت کرتا۔ ساڑھے گیارہ بجے کے بعد آپ کی خدمت میں طلبہ آجاتے۔ آپ ان کو ظہر تک پڑھاتے، وہاں سے فارغ ہوکر آپ سفر کر کے گھر آجاتے، عصر کے بعد مجھے پڑھانا شروع فرما دیتے، یہ سلسلہ رات دس بجے تک جاری رہتا۔اس کے بعد آپ مثنوی پڑھتے ہوئے سو جاتے۔

میں نے آپ کو کبھی درسی کتب کا مطالعہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بلکہ میں بچپن میں حیران ہوتا تھا کیونکہ جب پڑھاتے تو دیگر مدرسین سے زیادہ مطالعہ محسوس ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں مجھے سمجھ آگئی کہ یہ معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ پروفیسر صاحب یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے آج تک قبلہ ابا جی صاحب رحمہ اللہ سے اور اُستاذی المکرّم حضرت مولانا

علامہ عبدالرشید رضوی مدظلہ العالی سے بڑھ کر تدریس کا ماہر نہیں دیکھا۔

۱۲۔قوتِ استدلال

قبلہ ڈاکٹر صاحب کی دقتِ نظر، وسعتِ مطالعہ،قوتِ حافظہ کے ساتھ ساتھ قوت استدلال بڑی دیدنی تھی۔ایک دفعہ آپ جامعہ قطبیہ میں علماء کی مجلس میں تشریف فرما تھے، مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی۔ اتنے میں کچھ آدمی آئے ،انہوں نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بارے میں سوال کیا کہ حضور ﷺ نے اسے چادر دی لعابِ دھن ڈالا، جنازہ پڑھا۔اس کے باوجود اسے کوئی نفع نہ ہوا؟

آپ نے ان کے جواب میں ایسی ایمان افروز گفتگو فرمائی کہ تمام علماء نے بیک زباں ہوکر کہاں کہ آج تک ہم نے اس مسئلہ پر اتنی مفصل اور ایمان پرور گفتگو نہ پڑھی نہ سنی۔

حضرت شیخ الاسلام بھی اس نشست میں موجود تھے (اس سال ڈاکٹر صاحب انہیں جامعہ قطبیہ میں استاذ العلماء مولانا عبدالرشید رضوی کے پاس برائے تعلیم داخل کروانے کے لئے ساتھ لے گئے تھے)۔

پروفیسر صاحب کو اس گفتگو کے جو گوشے یاد رہے ان کو یہاں نقل کیا جاتا ہے آپ نے ایک ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا:

سوال: حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا لعابِ دھن منافق کے منہ میں ڈالا اس کے باوجود وہ عذاب میں کیوں مبتلا رہا؟

جواب: یہاں مخالفین سے ایک بنیادی غلطی ہوئی ہے وہ یہ کہ انہوں نے لعابِ دھن عطا کرنے کا فائدہ خود متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کا فائدہ عذابِ الٰہی کا دور کرنا تھا۔ حالانکہ اس عطیہ کو اسی فائدہ میں محدود کر دینا صریحاً زیادتی ہے۔ واضح بات ہے کہ جب

خود آقا علیہ السلام نے اس کے نفع کا تعین نہیں فرمایا کوئی دوسرا کیسے کر سکتا ہے تو جب عطیہ کا انحصار اس مذکورہ فائدہ میں نہ رہا تو سوال ہی لغو ہوگا۔ کیونکہ اس عطیہ کا مقصد ہی کچھ اور تھا۔ اور وہ حاصل بھی ہوا۔ اور وہ یہ تھا کہ وہ منافق حالت نزع میں مسلسل کئی دن سے تڑپ رہا تھا اس کی جان نہیں نکل رہی تھی۔ یہ بہت بڑا عذاب اور مشکل تھی۔ جب آپ نے لعابِ دھن عطا کیا تو اس کی برکت سے نزع کا مرحلہ آسان ہوگیا۔ مخالفین غور کریں کہ یہ کوئی معمولی مشکل حل نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ ایک بہت بڑا عذاب تھا جو آپ کے لعاب دھن کی برکت سے ٹل گیا۔

سوال: دوسرا اعتراض یہ کیا کہ اس کی منافقت کا اگر علم تھا تو مقدس قمیض کیوں عطا کیا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اِس کی منافقت کا علم تھا مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس کے احسان کا بدلہ چکانے کے لئے قمیض عطا کی۔ اس کا احسان یہ تھا کہ ایک غزوہ کے موقع پر آپ ﷺ کے چچا شہید ہوئے انہیں کفن دینے کے لئے کپڑا موجود نہ تھا۔ اس موقع پر اس شخص نے اپنی چادر دی تھی۔ آقا علیہ السلام نے اس کا یہ احسان یاد رکھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے اس کی دی ہوئی چادر کا بدلہ چکا دیا۔ اس لئے آپ ﷺ اعلانیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری ذات پر جس نے بھی احسان کیا میں نے اس کا بدلہ دنیا میں ہی چکا دیا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ بعض روایات میں موجود ہے کہ آپ کی مقدس چادر کو اسے عذاب دینے سے پہلے آسمان پر اُٹھا لیا گیا تھا۔

سوال: تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر علم تھا تو جنازہ کیوں پڑھایا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مخالفین صرف ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں۔ ورنہ یہ معاملہ تو اسی وقت حل ہوگیا تھا۔ جب آپ ﷺ جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لے چلے، تو آپ ﷺ کے غلام سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ آپ ﷺ ایک منافق کا جنازہ پڑھانے نہ جائیں۔ اس کے جواب میں

آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ابھی تک اللہ تعالیٰ نے منافقین کا جنازہ پڑھانے سے منع نہیں کیا۔ بلکہ مجھے اختیار دیا ہے کہ چاہوں تو پڑھاؤ اور چاہوں تو نہ پڑھاؤں۔ جب آپ ﷺ کی صحبت سے فیض یافتہ شخص کو اس کی منافقت کا علم تھا تو آپ ﷺ کو بطریق اولیٰ علم تھا۔ پھراس جنازہ پڑھانے میں ہزارہا حکمتیں تھیں ان میں بعض کا تذکرہ بھی ڈاکٹر صاحب نے کیا۔

۱۔ بیٹا مسلمان تھا اس کی دلجوئی مقصود تھی۔

۲۔ حسن خلق کا منظر دکھانا تھا کہ جس نے ساری عمر در پردہ مخالفت کی اس کے ساتھ بھی کتنے حسن خلق سے پیش آتے ہیں۔

۳۔ ہزار آدمیوں کا مسلمان ہو جانا بھی پیش نظر تھا۔ کہ جب آپ A نے جنازہ پڑھایا تو جتنے منافقین شریک تھے سب مسلمان ہوگئے۔

سوال: چوتھا اعتراض یہ ہے کہ جنازہ میں مغفرت کی دعا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ (اے اللہ اسے بخش دے) تو اس دعا کا کیا فائدہ ہوا؟ حالانکہ اہل سنت کے ہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی؟

جواب: اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مخالفین نے کبھی جنازہ کی دعا پر غور ہی نہیں کیا۔ اگر غور کر لیتے تو اعتراض نہ کرتے۔ جنازہ میں دعا کے الفاظ میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرِ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا (اے اللہ وہ لوگ جو ہمارے ہیں خواہ زندہ یا فوت شدہ ان کو بخش دے)۔ اس دعا میں منافق شامل ہیں نہیں۔ جب ڈاکٹر صاحب نے جنازہ کے الفاظ سے استدلال کر کے مخالفین کا رد کیا تو سامعین خصوصاً علماء متحیر ہوگئے۔ اور آپ کی کامل گرفت اور دقتِ نظر پر داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

سوال: پانچواں اعتراض یہ وارد کیا کہ قبر پر کھڑے ہوگئے مگر عذاب نہ ٹلا؟

جواب: آپ نے فرمایا آپ کی بات درست مگر یہ بتاؤ کہ اگر آپ ﷺ کے کھڑے رہنے سے عذاب نہیں ٹلتا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبر پر کھڑے ہونے سے منع کیوں فرمایا، ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ.

(التوبۃ، ۹:۸۴)

''اور آپ کبھی بھی ان (منافقوں) میں سے جو کوئی مر جائے اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھیں اور نہ ہی آپ اس کی قبر پر کھڑے ہوں (کیوں کہ آپ کا کسی جگہ قدم رکھنا بھی رحمت و برکت کا باعث ہوتا ہے اور یہ آپ کی رحمت و برکت کے حقدار نہیں ہیں)۔''

واضح بات ہے کہ یہ منع اس لئے تھی کہ آپ ﷺ کے قدموں کی برکت سے عذاب دور ہوتا ہے بلکہ رُک جاتا ہے۔ پھر اس پر قرآن کی شہادت پیش کی۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ. (الانفال، ۸:۳۳)

''اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں۔''

جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی موجودگی کو عذاب کے نہ ہونے کی دلیل بتا رہا ہے تو پھر اب مخالفین کس بات پر ہٹ دھرمی کا اظہار کرتے ہیں۔

۱۳۔ عربی و فارسی تکلّم میں مہارت

ہمارے ہاں اکثر علماء عربی اور فارسی کے ماہر ہوتے ہیں لیکن چونکہ ان زبانوں کے بولنے کا ماحول نہیں۔ اس لئے نسبتاً کم علماء عربی اور فارسی میں گفتگو کر سکتے ہیں۔ لیکن قبلہ ڈاکٹر صاحب کی یہ خصوصیت بھی تھی کہ آپ صرف ان زبانوں کے قواعد و ضوابط سے

ہی آگاہ نہ تھے بلکہ ان کے تکلم پر بھی کامل قدرت رکھتے تھے۔ آپ ان زبانوں میں اس طرح اظہار مافی الضمیر کرتے جس طرح کوئی صاحب زبان گفتگو کر رہا ہو۔ آپ اپنے لبنان، شام، حجاز کے سفر نامے میں ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں۔ یہ امر میرے لئے بڑی سہولت کا باعث رہا ہے کہ مجھے عربی و فارسی زبانوں سے وافر شغف تھا۔ اس لئے ہر ملک کے باشندوں سے بے تکلّفانہ گفتگو کے ذریعے راہنمائی حاصل کی جا سکتی تھی۔

نبض کے موضوع پر عربی مقالہ

جب آپ لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہو کر ۱۹۴۱ء میں واپس پنجاب تشریف لائے تو اس وقت یہاں زبدۃ الحکماء کی ڈگری طب میں سب سے بڑی ڈگری تھی آپ نے آتے ہی پنجاب یونیورسٹی کے تحت اس کے امتحان میں پرائیویٹ طور پر شرکت کی۔ آپ نے امتحان میں نبض کے موضوع پر چالیس صفحات پر مشتمل عربی میں مقالہ بھی لکھا، اس امتحان میں آپ نے پنجاب بھر میں اوّل پوزیشن حاصل کی، جس میں آپ کو گولڈ میڈل ملا۔

نبض کے موضوع پر یہ مقالہ ہے یا امام کی کتاب؟

انعام دینے کی تقریب کی صدارت سر عبدالقادر نے کی۔ جب ڈاکٹر صاحب کی باری آئی تو آپ کے عربی مقالہ کے جو ممتحن تھے وہ مقالہ لے کر سٹیج پر آئے اور انہوں نے درج ذیل الفاظ میں آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا:

> ”یہ طالب علم (ڈاکٹر فرید الدین) مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے نبض کے موضوع پر ایک عظیم مقالہ لکھا ہے۔ اپنے موضوع پر ایک بہترین مقالہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ادبی شہ پارہ بھی ہے۔ ہم اسے دیکھ کر حیران رہ گئے اور یہ فیصلہ نہیں کر پاتے کہ یہ ایک طالب علم کا نبض کے موضوع پر مقالہ ہے یا کہ نبض کے فن پر کسی امام کی کتاب، ہم پچاس میں سے پچاس نمبر دینے پر مجبور تھے ورنہ یہ مقالہ زیادہ نمبروں کا مستحق تھا۔“

۱۴۔ خطابت اور فن تقریر

عام مشاہدہ ہے کہ اکثر مدرسین اور علمی شخصیات اعلیٰ درجے کے خطیب نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ان کا تعلق بنیادی طور پر تعلیم و تعلّم سے ہوتا ہے جس کے تقاضے الگ ہیں۔ جبکہ خطابت کے تقاضے الگ ہیں۔ لیکن حضرت فرید ملت رحمہ اللہ جہاں کامل مدرس تھے وہاں ایک اچھے خطیب بھی تھے۔ سیال شریف اور جامعہ قطبیہ قطب آباد کے سالانہ اجتماع میں اکثر آپ ہی کا خطاب ہوتا تھا۔

یہاں ہم آپ کے فن خطابت کے حوالے سے چند ان خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق آپ کے علمی مقام کے ساتھ ہے۔

۱۔ تمام خطاب علمی ہوتا۔ اس میں ایک جملہ بھی علمی سطح اور تحقیق سے گرا ہوا نہ ہوتا۔

۲۔ آپ کی تمام گفتگو متعلقہ موضوع پر ہی ہوتی تھی۔

۳۔ آپ کے خطاب کی یہ خصوصیت بھی بیان کی گئی ہے کہ سامعین بیان کردہ موضوع کے عالم ہو جاتے۔

۴۔ آپ کے خطاب میں علمی تحقیق کے ساتھ ساتھ روحانی چاشنی بھی ہوتی۔ آپ جب وجد میں آکر مثنوی شریف کے اشعار پڑھتے تو سامعین پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔

۵۔ اپنے خطاب کا پہلے اختصار کے ساتھ خلاصہ بیان کر دیتے تھے۔ جس کے ذریعے سامعین پر واضح ہو جاتا کہ آج موضوع کیا ہے؟ اس میں اختلاف کیا ہے؟ اس موضوع کے پہلو کیا ہو سکتے ہیں؟ اس کے بعد مخالفین کے اعتراضات کا تفصیلی تذکرہ کرتے۔ پھر ہر ایک کا تجزیہ کرتے ہوئے مدلل رد فرماتے۔

۶۔ آپ کے خطاب کا انداز یہ بھی تھا کہ جس آیت یا حدیث کو مخالف سب سے بڑی دلیل کے طور پر پیش کرتے اس کو آپ بنیاد بناتے ہوئے گفتگو کا آغاز فرماتے مثلاً آپ نے اگر نورانیت مصطفیٰ ﷺ پر گفتگو کرنا ہوتی تو ''قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ'' اور اگر علم غیب پر گفتگو کرنا ہوتی تو اس آیت کی تلاوت کرتے ''قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ'' حیات النبی ﷺ پر گفتگو کے لئے ''اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ'' کی تلاوت کرتے۔

سامعین ابتداً حیران ہوتے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کس آیت کو موضوع بنا رہے ہیں۔ لیکن جب آپ خداداد ذہانت وفطانت کو بروئے کار لاتے ہوئے ان آیات پر تفصیلی گفتگو کرتے تو ہر شخص محسوس کرتا کہ یہ مخالف کے دلائل نہیں بلکہ اثبات مسئلہ میں سب سے قوی دلائل ہیں۔

۷۔ مشکل سے مشکل مسئلہ کو عام فہم بنا کر بیان کر دیتے۔ اس کی ایک مثال بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے: آپ نے ایک عوامی اجتماع میں مسئلہ علم غیب پر گفتگو فرمائی۔ دیگر دلائل کے علاوہ آپ نے درج ذیل ایمان افروز دلیل دی۔ جسے سن کر ہر آدمی محظوظ ہوا۔ آپ نے فرمایا قرآن حکیم میں ہے:

وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَآ اِلَّا ھُوَ ط وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ.

(الانعام، ۶: ۵۹)

''اور غیب کی کُنجیاں (یعنی وہ راستے جس سے غیب کسی پر آشکار کیا جاتا ہے) اسی کے پاس (اس کی قدرت و ملکیت میں) ہیں انہیں اس کے سوا (ازخود) کوئی نہیں جانتا، اور وہ ہر اس چیز کو (بلاواسطہ) جانتا ہے جو خشکی میں اور دریاؤں میں ہے۔''

یہ ارشاد باری تعالیٰ نشاندہی کرتا ہے کہ غیب کے خزانے مقفل ہیں۔ اور ان کی چابیاں موجود ہیں۔ اب اگر غیب کے خزانے ہر ایک سے مخفی ہی رکھنے تھے اور کسی پر انہیں

کھولا نہیں جانا تھا۔ تو ان کی چابیاں پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ چابی ہمیشہ تالے کو کھولنے کے لئے ہوتی ہے۔ جب چابیاں بیان کر دیں تو اس کا مطلب واضح ہے کہ وہ کسی نہ کسی کے لئے ضرور کھولے جائیں گے۔ اور اس کی نشاندہی قرآن حکیم نے ان الفاظ میں کر دی ہے:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ. (آل عمران، ۳:۱۷۹)

''اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عامۃ الناس!) تمہیں غیب پر مطلع فرما دے لیکن اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے (غیب کے علم کے لیے) چن لیتا ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ (الجن، ۷۲:۲۶)

''(وہ) غیب کا جاننے والا ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی (عام شخص) کو مطلع نہیں فرماتا ۝''

جب قرآن حکیم نے چابیوں کا ذکر کر دیا اور جن پر وہ خزانے کھولے جاتے ہیں ان کا بھی ذکر کر دیا تو اب یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو غیب عطا نہیں فرماتا صریحاً ظلم اور زیادتی ہے۔

۹۔ دورانِ خطاب موضوع سے متعلقہ مختلف کتب کی عربی و فارسی طویل عبارات صحت اور روانی سے پڑھتے تھے۔ یہ آپ کی قوت حافظہ کا ایسا اظہار تھا جس کا مشاہدہ ہر کوئی کرتا۔

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ

فنِ طب کے عظیم محقق

(ڈاکٹر علی اکبر قادری)

حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو حصول تعلیم کی تڑپ برصغیر پاک و ہند کی بلند پایہ علمی شخصیات کے علاوہ دنیا کے بیشتر ممالک کے عظیم علماء کے علم و عرفان کے چشموں پر کشاں کشاں لئے پھری۔ آپ نے انتھک جدوجہد اور محنت شاقہ کو بروئے کار لا کر نہ صرف دینی علوم کے حصول میں کمال حاصل کیا بلکہ علم طب یعنی اسلامی اور یونانی طب میں بھی کمال دسترس اور نبض شناسی میں محیر العقول حد تک ملکہ حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اعلیٰ پایہ کی ذہانت و فطانت، فہم و ادراک، نکتہ سنجی، استخراج و استنباط اور کمال درجے کا حافظہ عطا کیا گیا تھا۔ بقول حضرت شیخ الاسلام ''آج تک میں نے معاصرین میں سے ان جیسا نباض نہیں دیکھا'' آپ کو تشخیص اور تجویز دونوں پر پورا عبور حاصل تھا۔ بڑے بڑے ماہر اطباء آپ کی علمی و فنی اور عملی استعداد و مہارت تامہ کے معترف اور گواہ ہیں۔

طبی تعلیم کا حصول

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے والد گرامی حضرت میاں خدا بخش رحمہ اللہ ایک خدا رسیدہ اور درویش منش انسان تھے۔ وہ اپنے ہونہار فرزند کو ایک کامیاب طبیب اور حکیم حاذق دیکھنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے آٹھویں جماعت ہی میں آپ کا سلسلہ تعلیم منقطع کرا کے آپ کو جھنگ صدر کے ایک حکیم صاحب کی شاگردی میں دے دیا۔ مگر چند ہی روز میں حضرت فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے محسوس کیا

کہ ان کا حکیم صاحب کے پاس بیٹھنا سراسر وقت کا ضیاع ہے۔ لہٰذا آپ نے ان کے پاس جانا بند کر دیا۔ اور والد ماجد سے سلسلہ تعلیم کو جاری رکھنے کا اصرار کیا۔ تاہم حکیم صاحب کی صحبت میں گذارے گئے ان ابتدائی ایام نے آپ کے ذہن میں دین اور طب کی تعلیم اور اس کے ذریعے خلق خدا کی خدمت کا داعیہ پوری طرح بیدار کر دیا۔

ا۔ جھنگ سے سیالکوٹ روانگی

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ دینی اور سکول کی تعلیم کے حصول کے لئے سیالکوٹ کے معروف عالم دین مولانا محمد یوسف سیالکوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا محمد یوسف سیالکوٹی عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے طبیب بھی تھے۔ حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ نے طب کی کچھ ابتدائی کتب اور نصاب ان سے پڑھا۔ بعد ازاں میٹرک کرنے کے بعد انہی کی ترغیب پر لکھنؤ تشریف لے گئے۔

۲۔ منبع الطب کالج لکھنؤ سے ڈپلومہ

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ سیالکوٹ سے میٹرک، درس نظامی کی اعلیٰ کتب اور طب کی ابتدائی کتب اور نصاب کے مطالعہ کے بعد لکھنؤ میں فرنگی محل جیسے ایشیا کے معروف ترین علمی و فنی مرکز میں داخل ہوگئے۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے آپ نے منبع الطب کالج میں بھی داخلہ لے لیا۔ یہاں آپ کو ڈاکٹر عبدالعزیز لکھنوی رحمہ اللہ (ایم آر اے ایس لندن) پرنسپل منبع الطب کالج لکھنؤ مولانا حکیم محمد ہادی رضا لکھنوی رحمہ اللہ اور مولانا حکیم محمد حسین رضا لکھنوی رحمہ اللہ جیسے اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ اور آپ نے کچھ عرصہ میں ۳ فروری ۱۹۳۴ء بمطابق ۲۱ شوال ۱۳۵۲ھ کو طب میں ابتدائی ڈپلومہ حاصل کر لیا۔

۳۔ تکمیل الطب کالج لکھنؤ

فرنگی محل میں سلسلہ تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے تکمیل الطب کالج جھوائی ٹولہ لکھنؤ میں بھی داخلہ لے لیا اس طبیہ کالج کے پرنسل شفاء الملک حکیم عبدالحلیم لکھنوی تھے۔ آپ حضرت حکیم عبدالعزیز لکھنوی رحمہ اللہ کے صاحبزادے تھے۔ اور متحدہ ہندوستان کے دور آواخر کے بہت بلند پایہ حکماء اور اطباء حکیم محمد اجمل خان دہلوی اور حکیم نابینا انصاری وغیرہ کے ہم پایہ تھے۔

لکھنؤ میں تعلیم کے دوران حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو طب قدیم اور طب جدید کے دو بہت بڑے اداروں سے اکتساب علم کا ایک بہت ہی حسین موقع میسر آیا۔ یہاں پر قائم طبیہ کالج اور کنگ جارج میڈیکل کالج کے بعض طلباء کو یہ سہولت تھی کہ دونوں کالجوں سے بعض مضامین میں اکتساب علم کر سکیں۔ طبیہ کالج کے نہایت ہی ذہین طلباء کنگ جارج میڈیکل کالج سے میڈیکل سائنس کے بعض مضامین کی کلاسز میں بیٹھتے اور میڈیکل کالج کے بعض طلباء طبیہ کالج کی بعض کلاسوں میں شامل ہوتے۔ اس طرح حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو طب کی قدیم اور جدید تعلیم کے حصول کا بہترین موقع میسر آیا، چنانچہ کنگ جارج میڈیکل کالج سے بھی میڈیکل کی ڈگری لی اور طبیہ کالج لکھنؤ طب یونانی میں تخصص حاصل کیا اور فاضل طب و الجراح کی سند (Qualified degree of physician and surgeon) اوّل پوزیشن کے ساتھ حاصل کی۔

حکیم عبدالحلیم لکھنوی رحمہ اللہ کی خصوصی شفقت

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ چونکہ بہت ذہین و فطین اور محنتی طالب علم تھے۔ اس لئے آپ کے اُستاد محترم شفاء الملک حکیم عبدالحلیم لکھنوی آپ پر خصوصی توجہ اور کمال شفقت فرماتے تھے۔ بسا اوقات آپ کو ایک لائق طالب علم ہونے کے ناطے گھر بلا کر بھی سبق پڑھایا کرتے تھے۔ ایک روز حکیم صاحب نے حضرت ڈاکٹر فرید الدین

قادری رحمہ اللہ کو فرمایا ''اپنی رہائش گاہ چھوڑ کر میرے گھر منتقل ہو جاؤ۔ آج سے تم میرے بیٹے ہو۔'' حکیم صاحب نے آپ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ شفاء الملک حکیم عبدالحلیم لکھنوی رحمہ اللہ کا صرف ایک بیٹا تھا جسے وہ متین بابو کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ سے بہت مانوس ہوگیا۔ اور وہ آپ کا منہ بولا بھائی بھی بن گیا۔ اس طرح آپ اپنی تعلیم کے تمام سال وہیں مقیم رہے۔

۴۔ نبض میں تخصّص

دورِ قدیم میں مرض کی تشخیص کے سلسلہ میں نبض شناسی کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ طبی تعلیم میں حکماء کے لئے اس مہارت کا حصول بنیادی حیثیت کا حامل رہا ہے۔ اور قدیم حکماء کی نبض شناسی سے متعلق ایسی ایسی محیر العقول مثالیں سامنے آئی ہیں جن کے مقابل جدید طب کے تمام تکنیکی اور کمپیوٹرائزڈ وسائل بہت ہیچ نظر آتے ہیں۔

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے اُستاد محترم جناب شفاء الملک حکیم عبدالحلیم لکھنوی طبی تعلیم کے اس فن میں بھی آپ کو اعلیٰ مقام پر فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے نبض شناسی میں تخصص کے لئے ڈاکٹر صاحب کو اس دور کے ایک عظیم نباض حکیم عبدالوہاب المعروف حکیم نابینا انصاری کے پاس ایک خصوصی تعارفی خط کے ساتھ بھیجا۔ اس خط میں تحریر فرمایا کہ ''جناب حکیم انصاری صاحب یہ ایک طالب علم جس کی نظر آج تک ہمارے ادارے نے نہیں دیکھی۔ اس کو آپ کے پاس نبض میں تخصص کے لئے بھیج رہا ہوں اس پر خصوصی توجہ کی درخواست ہے۔''

حکیم عبدالوہاب رحمہ اللہ نابینا انصاری کے زیرِ نگرانی تعلیم

حکیم نابینا انصاری رحمہ اللہ دہلی کے رہنے والے تھے۔ لیکن نظام حیدر آباد دکن کے پاس ان دنوں افسر الاطباء کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب آپ کے

پاس حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچنے پر حکیم نابینا انصاری رحمہ اللہ نے آپ کا انٹر ویو اور ٹیسٹ لیا۔ جس میں آپ نے قابل رشک حد تک کامیابی حاصل کی۔ حکیم صاحب نے آپ کی استعداد اور صلاحیت کو دیکھ کر آپ کو اپنے ان خاص طلباء میں شامل کر لیا جنہیں وہ سالوں کی تعلیم کے بعد مطب میں اپنے دائیں اور بائیں بٹھاتے تھے۔

حکیم انصاری رحمہ اللہ کا مریض کے دیکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ بیک وقت دو مریضوں کو دیکھتے اور نبض پر ہاتھ رکھ کر دونوں مریضوں کا جو مرض ہوتا بول دیتے۔ پہلے علامات بولتے جاتے۔ بعد میں ادویات اور نسخہ جات تجویز کرتے جاتے۔ اور شاگردوں کو یہ ہرگز نہ بتاتے کہ دونوں مریضوں میں سے یہ نسخہ کس کے لئے ہے۔ بلکہ یہ کام شاگردوں پر چھوڑ دیتے۔ جب مریض کو دیکھ کر فارغ ہو جاتے تو حکیم صاحب شاگردوں سے پوچھتے کہ انہوں نے کس مریض کے لئے کونسی دوا تجویز کی ہے۔ شاگرد اپنے اپنے نوٹس کے مطابق بتاتے اور اس میں کوئی غلطی ہوتی تو اصلاح فرما دیتے۔ اس طرح شاگردوں کو خود محنت کرنا پڑتی۔ اور انہیں تشخیص اور تجویز میں زیادہ درک حاصل ہوتا چلا جاتا۔ حکیم نابینا انصاری رحمہ اللہ جب حیدر آباد دکن سے دہلی واپس آئے تو ڈاکٹر صاحب بھی ان کے ہمراہ دہلی آ گئے۔ اس طرح آپ پورا ایک سال حکیم انصاری رحمہ اللہ کے ساتھ رہے۔ اس طرح ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو نبض میں وہ مہارت حاصل ہوئی کہ آج کے حکماء و اطباء میں ان جیسا نباض ان کے معاصرین میں نہیں دیکھا گیا۔ حکیم نابینا انصاری کی تربیت اور صحبت نے آپ کو فرید العصر بنا دیا۔ آپ دہلی سے ۱۹۴۱ء میں جھنگ واپس تشریف لائے۔

حکیم عبدالوہاب رحمہ اللہ نابینا انصاری کا ایک محیر العقول واقعہ

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کے اساتذہ اور ہم عصر اکابرین جن سے انہوں نے اکتساب فیض کیا، میں بڑے بڑے علماء، فقہاء، جلیل القدر صوفیاء، مجذوبین، اطباء، اور ڈاکٹرز کے نام ملتے ہیں۔ لکھنؤ میں جب طبِ قدیم و جدید کی تحصیل سے فراغت حاصل کی تو شفاء الملک حکیم عبدالحلیم رحمہ اللہ پرنسپل طبیہ کالج لکھنؤ نے نبض شناسی میں تخصص کے لئے

انہیں اس دور کے ایک عظیم حکیم نابینا انصاری رحمہ اللہ کے پاس ایک خصوصی تعارفی خط دے کر بھیجا۔ حکیم صاحب کا پورا نام حکیم عبدالوہاب انصاری رحمہ اللہ تھا۔ یہ وہی حکیم ہیں جو حضرت علامہ اقبال رحمہ اللہ کے معالج رہے۔

دورِ قدیم میں نبض شناسی کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ قدیم اطباء نہ صرف حکیم و نبض شناس ہوتے بلکہ صاحبِ زہد و تقویٰ بھی ہوتے۔ طبی بصیرت کے ساتھ ساتھ قلبی بصیرت کا امتزاج ہوتا تو نبض شناسی کے ایسے باب کُھل کر سامنے آتے کہ عقل و خرد کے تمام پیمانے یکسر ٹوٹ جاتے۔ اسی نوعیت کا ایک محیر العقول واقعہ حکیم نابینا انصاری رحمہ اللہ سے متعلق ہے جس کے راوی خود ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ ہیں اور ان کی موجودگی میں یہ وقعہ پیش آیا۔

حضرت فرید ملت رحمہ اللہ کی زبانی قائد انقلاب بیان فرماتے ہیں:

''ہم حکیم نابینا انصاری صاحب کے دائیں بائیں معمول کے مطابق بیٹھتے تھے۔ مطب کا وقت تھا لوگ آتے اور حکیم صاحب بیک وقت دو دو مریضوں کو دیکھتے جاتے جیسا کہ ان کا معمول تھا۔ ایک دن ایک میاں بیوی حکیم صاحب کے مطب پر آئے۔ اُن کے ساتھ نو دس سال کا ایک بچہ بھی تھا۔ شوہر نے حکیم صاحب کو نبض دکھائی حکیم صاحب نے نبض دیکھ کر اس کے لئے دوا تجویز کر دی۔ وہ شخص نبض دکھا چکا تو کہنے لگا حکیم صاحب میرا بیٹا بھی میرے ساتھ ہے اس کی طبیعت بھی دیکھ لیں۔ حکیم صاحب نے اس شخص کی بات سنی تو چونک اُٹھے اور کہنے لگے بھئی آپ کا بیٹا کیسا؟ یہ تدبر ہمارے ''ایم بی بی ایس'' ڈاکٹرز حضرات کے تصور سے بھی بالاتر ہے۔ کیونکہ انہیں نبض کا علم پڑھایا ہی نہیں جاتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نبض صرف سرکولیشن آف بلڈ کو ٹیسٹ کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ حکیم نابینا انصاری رحمہ اللہ نے اس آدمی کو نبض تو محض کسی دوسری تکلیف کو جاننے کے لئے دیکھی تھی لیکن نبض پر ہاتھ رکھنے سے اس کی فطرت و جبلت اور صلاحیت ہر چیز آشکار ہوگئی تھی۔ جب اس شخص نے اپنے بیٹے کا ذکر کیا تو انصاری صاحب نے کہا کہ بھئی تمہارا بیٹا تو ہو ہی

نہیں سکتا۔ اس نے کہا جناب میرا ہی بیٹا ہے جبکہ حکیم صاحب ماننے سے انکاری تھے۔ اسی اصرار و انکار میں لوگوں کا ایک اژدھام اکٹھا ہوگیا۔ تلامذہ جمع تھے۔ عجب تماشا ہوا۔ مریض کا اصرار ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ حکیم صاحب کا اصرار ہے کہ آپ کا بیٹا ہو ہی نہیں سکتا۔ حکیم صاحب نے آخری اور فیصلہ کن بات کہہ دی کہ اگر یہ آپ کا بیٹا ہے تو مَیں ساری عمر کے لئے حکمت و طبابت چھوڑ دوں گا۔ بیوی اس کے ساتھ تھی اس سے پوچھا تو اُس نے حلفاً کہا کہ جناب؛ انہی کا بیٹا ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہیں ایسا تو نہیں کہ اس خاتون کی پہلے کہیں اور شادی ہوئی ہو اور یہ بیٹا پہلے شوہر سے ہو اور آپ نے اس کی پرورش کی ہو۔ انہوں نے انکار کیا اور کہا یہ بیٹا ہمارا ہی ہے۔ حکیم انصاری رحمہ اللہ نے قلم رکھ دیا اور فرمایا میں بھی حلفاً کہتا ہوں کہ آپ کے ہاں بیٹا نہیں ہوسکتا۔ مجھے سچ سچ بتائیں اصل ماجرا کیا ہے؟ عجیب صورتحال پیدا ہوگئی۔ بیوی کی عصمت و کردار پر بھی حرف آنے کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ بالآخر شوہر بول اُٹھا کہ آپ کی تشخیص درست ہے بابا! آپ بھی سچے ہیں اور ہم بھی سچے ہیں۔ حکیم صاحب کہنے لگے کیسے؟ اس پر اُس شخص نے اپنی کہانی کچھ ان الفاظ میں سنائی۔

ہماری شادی کو بارہ سال ہوگئے تھے لیکن اولاد سے محروم تھے۔ بڑے علاج کروائے۔ بڑے بڑے طبیبوں اور ڈاکٹروں سے رابطہ کیا لیکن مایوسی ہوئی۔ دوا دارو کا سلسلہ چلتا رہا لیکن اولاد سے محروم ہی رہے (یہ واقعہ حیدر آباد دکن کا ہے)۔ ہم بالکل مایوس ہوگئے۔ حیدر آباد دکن جہاں ہمارا گھر ہے اس گلی میں ایک مجذوب آکر بیٹھا کرتے تھے۔ روزانہ صبح آٹھ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب۔ دو تین گھنٹے مسلسل بیٹھے رہتے مراقبے کی حالت میں۔ اس کے بعد اُٹھ کر کہیں اور چلے جاتے۔ میری اہلیہ نے جب دیکھا کہ یہ مجذوب روزانہ یہاں آکر بیٹھ جاتے ہیں تو وہ کوئی کھانا وغیرہ پکا کر ان کی خدمت میں پیش کر دیتی۔ کبھی وہ کھا لیتے اور اگر طبیعت نہ ہوتی تو انکار میں سر ہلا دیتے۔ اس طرح خدمت کرتے کرتے ایک عرصہ گزر گیا۔ ایک روز جب میری بیوی نے ان کی خدمت میں کھانا پیش کیا تو انہوں نے سر اُٹھا کر دیکھا اور پوچھا کہ بیٹی ہر روز تم ہی کھانا لاتی ہو؟ اہلیہ

نے کہا جی ہاں! مجذوب نے کہا کیوں تکلیف کرتی ہو؟ اس وقت میری اہلیہ کے دل میں اولاد کی خواہش مچل اُٹھی اور وہ اولاد کی محرومی کے احساس سے رو پڑی۔ ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اللہ والے کے دل میں رحم آیا اور انہوں نے پوچھا بیٹی کیوں روتی ہو؟ تو اس نے کہا حضرت میری شادی کو بارہ سال ہوگئے ہیں۔ سنا ہے بارہ سال تو اللہ تعالیٰ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کی بھی سن لیتا ہے لیکن میں ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہوں۔ ہم نے بہت علاج کروائے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ سب کہتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب ومکرم بندے ہیں۔ اگر آپ نے پوچھ ہی لیا ہے تو عرض یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں وہ تقدیریں بدلنے والا ہے، قادرِ مطلق ہے اگر ہماری تقدیر بدل جائے تو اس سے کون پوچھنے والا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں بیٹا یا بیٹی عطا کردے۔ یہ سن کر مجذوب صاحب مراقبہ میں چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد سر اُٹھا کر کہنے لگے بیٹی! یہ معاملہ ہمارے بس سے باہر ہے۔ البتہ ہم نے تمہارا کام کر دیا ہے۔ یہ معاملہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ کے بس کا ہے۔ اور ہم نے ان سے عرض کر دی ہے۔ آپ لوگ پاکپتن شریف چلے جائیں۔ بابا حضور رحمہ اللہ کے دربار عالیہ پر، وہاں چالیس روز قیام کریں اگر اللہ کو منظور ہوا تو تمہارا کام بن جائے گا۔

چنانچہ ہم دونوں میاں بیوی پاک پتن شریف چلے گئے اور مزار شریف پر حسبِ حکم چالیس روز تک اعتکاف کیا۔ اور یہ گھڑیاں مسلسل عبادت و ریاضت میں گزاریں۔ تہجد کے وقت ہم اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کر التجا کرتے۔ اور ان التجاؤں میں بابا حضور کو وسیلہ بناتے۔ آخر چالیس راتیں پوری ہوئیں۔ آخری رات تھی جس کی صبح ہمیں واپس چلے جانا تھا۔ میری اہلیہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ تشریف لائے اور میری اہلیہ سے فرمایا بیٹی اُٹھو! تمہیں مبارک ہو اور اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں گلاب کا ایک پھول رکھ دیا۔ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ کا میری اہلیہ کے ہاتھ پر گلاب کا پھول رکھنا تھا کہ اہلیہ کی آنکھ کھل گئی اس نے فوراً مجھے بیدار کیا اور خواب بتلایا۔

ہم نے فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر ادا کیا، بابا حضو رحمہ اللہ ر کا شکریہ ادا کیا اور نمازِ فجر کے فوراً بعد واپس روانہ ہوگئے۔ آتے ہی میری اہلیہ اُمید سے ہوگئیں اور اس کے نو ماہ بعد یعنی ہماری شادی کے تیرھویں سال یہ بیٹا پیدا ہوا۔ اب پھر نو سال گزر گئے ہیں لیکن اس بیٹے کے بعد دوبارہ ہمارے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آپ نے نبض دیکھ کر جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ بالکل درست ہے اور یہ بھی بالکل درست ہے کہ یہ بیٹا بھی ہمارا ہی ہے۔ الحمد للہ آپ بھی سچے ہیں اور ہم بھی۔ یہ بیٹا ہمارا ہی ہے لیکن ہوا ہے ایک مجذوب اور بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ کے توسط سے۔'' نبض شناسی کا یہ حیرت انگیز واقعہ ایک حقیقت ہے۔ اس تشخیص کا انداز آج کے حکماء اور ڈاکٹروں کے ہاں مفقود ہے لیکن کہیں کہیں سلف صالحین کی نشانیاں موجود ہیں اور ان کے ہاں آج بھی یہ جھلک نظر آجاتی ہے:

دار الشفاء حوالی بطحا میں چاہیئے
نبضِ مریض پنجۂ عیسیٰ میں چاہیے

ملازمت

حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے خلق خدا کی خدمت کے لئے طب کو بطور پیشہ پسند فرمایا۔ اور گورنمنٹ ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت اختیار کر لی۔ آپ کا دل خلق خدا کی خدمت کے جذبہ سے سرشار تھا۔ آپ کے پاس جتنے بھی مریض آتے ان کو بڑی تسلی اور اطمینان سے دیکھتے۔ مریض کی نفسیات میں آپ کو پوری مہارت حاصل تھی۔ مریض کی اس درجہ حسن سلوک کی وجہ سے تشفی ہو جاتی اور اس کی آدھی بیماری پہلی ملاقات ہی میں دور ہو جاتی۔

۱۹۴۸ء میں جب ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین کے کیمپوں میں ہیضہ کی وباء پھیلی تو حکومت نے حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کو بیماری کے علاج کے لئے ان کیمپوں کا انچارج مقرر کیا۔ آپ نے اس بیماری کے علاج کے لئے اپنا تیار

کردہ نسخہ استعمال کروایا جس سے یہ وباء فوری طور پر ختم ہوگئی۔ صدر ایوب کے دور میں حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ طبی سلیکشن بورڈ کے رُکن بھی رہے اور آپ نے یونانی اطباء کی سلیکشن بھی کی۔

طریقہ علاج کی خصوصیات

۱۔ آپ کے طریقہ علاج کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ آپ مرض کی شفایابی کے وقت کا تعین فرما دیتے تھے۔ اور مریض کو بتاتے کہ اتنے وقت میں بیماری کی علامات ختم ہو جائیں گی اور اتنے عرصہ تک آپ کو دوا لینا ہوگی۔

۲۔ جب آپ کسی مریض کو دیکھتے تو محض عمومی شکایت پوچھتے اور پھر کچھ نہ پوچھتے۔ مریض کی نبض پر ہاتھ رکھ کر تمام علامات اور بیماری بتا دیتے حتیٰ کہ اگر مریض کو ۱۵، ۲۰ یا ۲۵ سال پہلے کوئی مرض لاحق ہوا ہوتا تو اس کا پس منظر بتاتے یا کوئی موروثی مرض ہوتا تو وہ بھی بتا دیتے۔

ڈاکٹر صاحب کے طریقہ علاج سے جو بات سامنے آتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ صرف طبی علم کے ماہر تھے بلکہ فن طبابت میں ان کا درجہ محقق اور مجتہد کا تھا۔ آپ نے علمی تحقیقات اور تجربات کی روشنی میں متعدد فروعات ایجاد کیں اور کئی نہایت اہم اور کیمیا اثر نسخہ جات مرتب کئے۔

گولڈ میڈل کا اعزاز

حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے لکھنؤ سے لاہور آتے ہی حمایت اسلام طبیہ کالج لاہور سے زبدۃ الحکماء کا امتحان بطور پرائیویٹ اُمیدوار کے دیا۔ اس وقت یہ امتحان پنجاب یونیورسٹی لاہور کے زیراہتمام ہوتا تھا۔ اس امتحان میں آپ نے

پہلی پوزیشن حاصل کی اور اس طرح پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۴۱ء میں آپ کو گولڈ میڈل کا اعزاز ملا۔

فن نبض شناسی پر مقالہ

مذکورہ امتحان میں آپ نے فن نبض شناسی پر چالیس صفحات پر مشتمل عربی زبان میں ایک فی البدیہہ مقالہ لکھا جس میں اس فن پر مبسوط بحث کی۔ مقالہ میں آپ نے اقسام نبض، ان کی علامات، اخذ نتائج، ان کے انطباقات اور تشخیص کی اساسیات پر اتنی سیر حاصل گفتگو کی کہ ممتحن حضرات یہ مقالہ پڑھ کر متحیر ہوگئے۔ انہوں نے لکھا کہ یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کسی طالب علم کا مقالہ ہے یا اس فن کے کسی ماہر یا امام کی کتاب۔

طبی تصنیفات

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے فن طب پر چار کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ ان میں پہلی کتاب ''شفاء الناس'' (زمانہ طالب علمی کے فوراً بعد لکھی) دوسری ''بیاض فریدی'' تیسری ''زبدۃ المجربات'' چوتھی ''تفرید الفرید'' ہے۔ یہ کتابیں آپ کے فرزند جلیل شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کے پاس مخطوطات کی صورت میں موجود ہیں۔

اہم طبی واقعات

جھنگ میں حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کے ایک ہم عصر حکیم حافظ سلطان محمود صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ایک بلند پایہ طبیب تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ہم ان کی طبی گفتگو سمجھنے سے قاصر رہتے۔ وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عرصہ دراز پہلے شیخ اکرام الحق اے ڈی ایم و چیئرمین بلدیہ جھنگ کی اہلیہ کسی پیچیدہ مرض میں مبتلا تھی۔ ڈاکٹر صاحب مجھے ہمراہ لے کر مریضہ کے معائنے کے لئے گئے۔ مریضہ کا دماغی

توازن درست نہ تھا۔ میں تو اس مریض کو دیکھ کر پریشان ہوگیا اور نا اُمید ہوکر ایک طرف کھڑا ہوگیا لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب نے مریضہ کو دیکھ فرمایا کہ پرسوں انشاء اللہ آپ کا مریض صحت یاب ہو جائے گا۔ آپ نے مریضہ کے لئے دوا دی۔ اور پھر ایسا ہی ہوا جب دو روز بعد میں ان کے ہمراہ مریضہ کے معائنہ کے لئے گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ آپ کے علاج سے صحت یاب ہو چکی تھی۔

حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ کچھ عرصہ ڈی ایس ہسپتال لالیاں تحصیل چنیوٹ میں بھی خدمات انجام دیتے رہے۔ لالیاں میں ایک بڑے زمیندار مہر غلام عباس (بی اے۔ ایل ایل بی و آنریری مجسٹریٹ درجہ اوّل چنیوٹ) اپنا زیادہ وقت ڈاکٹر صاحب کے پاس ہی گذارتے تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی طبی مہارت کا ذکر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ میرے چچا مہر مراد بخش سخت بیمار ہوگئے۔ ہر جگہ سے کافی علاج کروایا مگر افاقہ نہ ہوا۔ آخر کار میرے والد مہر محمد محسن لالی انہیں حکیم اجمل خان کے پاس دہلی لے گئے۔ وہاں دو ماہ علاج کرانے کے بعد کچھ افاقہ محسوس ہوا تو انہوں نے حکیم صاحب سے کہا کہ آپ اس مریض کے لئے نسخہ تجویز فرما دیں۔ ہم اپنے گاؤں میں نسخہ تیار کروالیں گے اس پر حکیم اجمل خان صاحب نے کہا کہ موسم بدلنے کے ساتھ یہ مرض دوبارہ ظاہر ہو جائے گا۔ اور مجھے نسخہ کے اجزاء میں کمی بیشی کرنا پڑے گی۔ مریض اگر میرے پاس رہا تو اس کا علاج جاری رہ سکتا ہے کوئی دوسرا شخص اس کا علاج نہیں کرسکتا۔ مہر صاحب بتاتے ہیں کہ چند مجبوریوں کے باعث وہ دہلی سے گاؤں آگئے کچھ عرصہ بعد حکیم اجمل صاحب کا کہا سچ ثابت ہوا۔ اور موسم تبدیل ہونے کے بعد مرض بڑھ گیا۔ اب ہم مریض کو حضرت ڈاکٹر فرید الدین رحمہ اللہ کے پاس لے گئے آپ نے مریض کا علاج کیا تو چند روز بعد مرض ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

مہر غلام عباس لالی صاحب بیان کرتے ہیں کہ خود میرے والد مہر محمد محسن لالی بیمار ہوئے تو ہم نے متعدد حکماء کو آپ کی نبض دکھائی، سب نے کہا کہ ان کا جگر خراب

ہے۔ جب ڈاکٹر صاحب کو دکھایا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کو کینسر کی ایک قسم کا مرض لاحق ہے۔ ہم نے اس وقت زیادہ توجہ نہ دی۔ کئی برسوں بعد جب مہر صاحب کو دوبارہ تکلیف ہوئی تو ہم نے لاہور کے ایک مشہور و معروف ڈاکٹر الٰہی بخش سے علاج شروع کروایا لیکن بیماری جوں کی توں رہی ۔آخر کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر الٰہی بخش نے بتایا کہ مہر صاحب کو کینسر ہے۔ اس طرح ڈاکٹر فرید الدین قادری رحمہ اللہ نے جو بات ہمیں برسوں پہلے بتا دی تھی وہ سچ ثابت ہوئی۔

قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری چند واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم والد صاحب کے ہمراہ جھنگ کے دوست سید الطاف حسین شاہ کی پھوپھی محترمہ آفتاب بی بی کے انتقال پر ان کی تدفین کے لئے قبرستان گئے تھے۔ قبرستان ہی میں ایک مریض آیا۔ اس مریض کا کئی سالوں سے خونی بواسیر کا علاج کیا جا رہا تھا۔ آپ نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا اور مسکرائے۔ فرمانے لگے نہ تمہیں خونی بواسیر ہے نہ علاج درست ہوا ہے۔ بلکہ تمہاری انتڑیوں میں ورم ہے اور ۱۵ دِن کے علاج سے افاقہ ہو جائے گا، لیکن تین ماہ تک علاج کرنا پڑے گا۔ چنانچہ مریض نے علاج جاری رکھا اور وہ مکمل صحت یاب ہوگیا۔

ایک مرتبہ ہماری رہائش گاہ جھنگ پر میری موجودگی میں ایک مریض آیا۔ اس نے کہا کہ مجھے بہت زیادہ تکلیف ہے مگر زبان سے اور کچھ نہ بتایا۔ آپ نے نبض پر ہاتھ رکھتے ہی مجھے فرمایا کہ آپ بیٹے ذرا اندر جائیں۔ مجھے تعجب ہوا۔ میں اندر جانے کے لئے اُٹھا کہ ابھی دروازے ہی میں تھا کہ مریض سے فرمانے لگے کہ آپ نے اتنی زیادہ لواطت کی ہے کہ آپ کو یہ تکلیف ہوئی اور بیماری بہت زیادہ بڑھ گئی ۔اس پر مریض کہنے لگا کہ آپ کی نبض شناسی نے مجھے ننگا کر دیا ہے۔ تاہم آپ نے اس کا علاج کیا۔

سرزمینِ عرب پر لا علاج مریضوں کا علاج

شاہ ابن مسعود کے بھائی کا علاج

۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ جب بغداد شریف سے ایک قافلہ کے ہمراہ سرزمین حجاز پہنچے تو اس زمانہ کے سعودی بادشاہ ابن المسعود کے کارندے بندرگاہ پر قافلہ کے ایک ایک فرد سے پوچھ رہے تھے تم میں کوئی ڈاکٹر ہے؟ ماجرا یہ تھا کہ شاہ ابن المسعود کے بھائی کو کوئی ایسا مرض لاحق تھا کہ یورپ تک علاج کروانے کے باوجود صحت یاب نہ ہو سکا تھا۔ اور اب وہ زندگی کی آخر گھڑیاں گذار رہا تھا۔ لیکن بادشاہ نے ہمت نہ ہاری اور مسلسل کوشش میں لگا رہا کہ کسی طور اس کا بھائی صحت یاب ہو جائے۔

جب قافلہ سرزمین حجاز کی سرحد پر پہنچا تو بادشاہ کے کارندے فرداً فرداً پوچھنے کے بعد حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کو اپنے ساتھ ریاض لے گئے۔ اور شاہی محل میں مریض کے پاس پہنچا دیا۔ آپ نے مریض کی نبض دیکھی تو فرمایا کہ انہیں چند گھنٹوں میں افاقہ ہو جائے گا۔ اس پر تمام لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ چنانچہ آپ فوراً بازار گئے اور دوا کے لئے چند چیزیں خریدیں اور واپس محل میں آکر ایک ٹب گرم پانی سے بھروایا اور اس میں متعلقہ دوا ڈال دی۔ اور ملازموں سے فرمایا کہ مریض کو علیحدہ کمرے میں کپڑے اتروا کر اس ٹپ میں بٹھا دیا جائے اور جب پانی ٹھنڈا ہو جائے تو نئے سرے سے پانی گرم کر کے اس میں یہ دوائی ملا کر دوبارہ اس مریض کو بٹھا دیا جائے۔ اور اس عمل کو بار بار دہرایا جائے۔ چنانچہ ملازموں نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ اور صرف دو گھنٹوں کے بعد ایک نادار کمزور اور زندگی سے مایوس مریض صحت یاب ہو کر اپنے پاؤں پر چلتا ہوا کمرے سے ہشاش بشاش آگیا اس پر شاہی خاندان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

بحرین کے مریض کا علاج

۱۹۶۳ء میں جب حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ حج پر گئے تو حج سے واپسی پر بحرین میں آپ کے پاس کچھ لوگ آئے۔ اور ایک ایسے مریض کو دیکھنے کے لئے ان کی رہائش گاہ پر جانے کے لئے کہا جس کی حالت بہت تشویشناک ہو چکی تھی۔ اور زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ چنانچہ آپ اس وقت ان لوگوں کے ساتھ چل دیئے اور مریض کو دیکھ کر دوا دی اور رات بھر میں ۳/۴ ماہ سے صاحب فراش مریض کو اللہ تعالیٰ نے فی الفور شفا دی اور آپ کو مسیحا بنا دیا۔

درگاہِ عالیہ گولڑہ شریف کے مرید کا علاج

۱۹۶۳ء میں قیام حرمین شریفین کا واقعہ ہے کہ ان دنوں حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کے سجادہ نشین حضرت خواجہ غلام محی الدین المعروف بابوجیؒ سرکار بھی وہیں قیام پذیر تھے۔ حضرت بابوجیؒ نے حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادری سے فرمایا کہ قبلہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے کچھ مریدین یہاں مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب سخت علیل ہیں۔ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو وہ مریض دیکھ لیں۔ چنانچہ آپ نے مریض کو دیکھا پھر خود بازار سے دوائیں لا کر مریض کو نسخہ بنا کر دیا، جس کے استعمال سے مریض بفضلہٖ تعالیٰ کچھ ہی وقت میں شفا یاب ہوگیا۔

نیروبی سے آئی ہوئی کینسر کی مریضہ کا علاج اور زیارت رسول ﷺ

اسی سال مدینہ منورہ میں نیروبی سے آئی ہوئی کینسر کی ایک مریضہ پڑی ہوئی تھی۔ جسے کینسر کا مرض بڑی ایڈوانس صورت میں لاحق تھا۔ وہ یورپ سے علاج کروانے کے باوجود بھی صحت یاب نہ ہوسکی تھی۔ جب ان کی تکلیف بہت بڑھ گئی تو وہ لوگ مدینہ پاک میں اس آرزو کے ساتھ آئے کہ اب موت تو یقینی ہے تاہم دفنانے کے لئے مدینہ

پاک میں جگہ ہی مل جائے تو غنیمت ہے۔ ان کے اس قیام کے دوران کسی نے انہیں ڈاکٹر صاحب کا تعارف کروادیا۔ وہ آپ کے پاس ان کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ آپ نے مریض کی حالت دیکھ تشویش کا اظہار فرمایا۔ لیکن مریض اور اس کے لواحقین بضدر ہے کہ اب جبکہ ہم مدینہ پاک آگئے ہیں تو اُمید ہے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے تصدق سے ضرور شفا عطا فرمائے گا۔ اب ہم زندگی کے دن تو پورے کر ہی رہے ہیں آپ علاج شروع کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ کل تشریف لائیں میں سوچ کر آپ کو بتاؤں گا۔ اسی رات ڈاکٹر صاحب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور آپ ﷺ نے مدینہ پاک شہر کے باہر ایک جگہ دکھائی اور دوا بنانے کے کچھ اجزاء دکھائے گئے جو وہاں میسر تھے۔ یہ اجزاء پاکستان کے دیہاتی علاقوں میں بھی میسر ہیں۔ ان اجزاء کو ملا کر دوا بنانے کا طریقہ بھی بتایا گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوا بنا کر مریض کو استعمال کرواؤ۔

جب اگلے روز مریضہ آئی تو ڈاکٹر صاحب نے انہیں مبارکباد دی۔ اور فرمایا مبارک ہو حضور ﷺ کی بارگاہ سے علاج کا اذن مل گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہدایت کے مطابق اجزاء کی دوا تیار کر کے مریض کا علاج شروع کیا۔ ان دنوں ڈاکٹر صاحب کا مدینہ شریف میں چھ ماہ کا قیام تھا۔ آپ نے ۲ یا ۳ ماہ علاج جاری رکھا اور وہ خاتون مکمل شفایاب ہوگئی۔ مریضہ کے لواحقین نے علاج کے اخراجات کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کو اس وقت تقریباً ۴۰۰۰ ریال بطور انعام پیش کئے۔ حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ ابا جی قبلہ اُسی وقت بازار گئے اور حضور ﷺ کی شانِ اقدس، شمائل اور سیرتِ طیبہ پر جس قدر کتب دستیاب تھیں اِن پیسوں سے خرید لائے۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ ابا جی اِس دوائی کو عام کر دیا جائے۔ قومی سطح پر اسے متعارف کرایا جائے۔ لیکن انہوں نے فرمایا معلوم نہیں اِس اِفشا میں حضور ﷺ کی منشاء ہے بھی یا نہیں، اس لئے بیٹا خاموشی بہتر ہے۔ بعد ازاں پاکستان آکر بھی کئی ایسے مریضوں کا علاج کیا اور وہ شفایاب ہوتے رہے۔